

دلی کا پھیرا

از

ملا واحدی دہلوی

واحد تقسیم کنندگان

جلد ۱ . انجمن کتاب گھر

نمبر ۳۰ صدر کو آہریشو مارکیٹ

وکتوریہ روڈ - کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دلی کا پھیرا

۱۲ اپریل ۱۹۵۹ء کو دلی سے چلا تھا۔ جب سے دلی
پہنچے دل میں خوشی کی ہر شے اٹھی اور آنکھوں
میں مسرت کے آنسو نہیں آئے۔

قلب مضطرب کوئی یوں ہر دم رہے تو حال
پھول بھی ہم نے بہت دیکھے ہیں کھلے ہوئے
ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا۔ دل ستم زدہ کو ہم نے تمام تمام
آج گیارہ سال پہلے، تین دن گزار کر دلی جا رہا ہوں۔ خوشی کی
لہر اور مسرت کے آنسو ڈھونڈتے۔ لیکن یہ اب میری قسمت میں کہاں !
چلا ہے او دلی رات طلب کیا شاد ماں ہو کر
زمین کوٹے جاتاں رنج دے گی آسمان ہو کر

سفر کی عادت نہیں ہے۔ سفر کے تصور سے ہی گھبرا رہا ہے۔ دو بڑی
لڑکیاں، ماں کے مرنے کے بعد سے پھوپھا پھوپھی کے پاس دھیرے دھیرے تھیں۔
وہیں ان کی شادیوں کی تقریبیں ہوئیں۔ میں ایک لڑکی کی شادی میں گیا۔

میرے منجھلے بھانجے فرید احمد میرے ہاں تھے۔ انہوں نے سفر کی گھبراہٹ دیکھ لی۔
دوسری لڑکی کی شادی کے وقت پہنچی، خاں صاحب سید احمد صاحب نے
لکھ دیا کہ آپ مت آئیے۔ مگر لے دلی! تیرے لئے میں اتنے طویل سفر
پر آمادہ ہو گیا ہوں۔

ٹھو کریں کھاتا ہوں لیکن جا رہا ہوں سوئے دوست
دیکھتا ہی کچھ نہیں میں اس سفر کے سامنے
توبہ توبہ۔ شکایت نہیں کرتا۔ ناشکر گزار نہیں ہوں۔ دلی کے فراق سے
مجھے بہت سی نعمتیں ملی ہیں۔

نعم عشق سی چیز مجھ کو فلک
ملی اور پھر کس قدر مل گئی
ایک کیفیت ہے، جو ساڑھے گیارہ سال سے طاری ہے۔ دلی
جا کر دوبارہ چرکا کھانا چاہتا ہوں، تاکہ اس کیفیت میں کمی نہ پڑ جائے
اور باقی زندگی اسی کیفیت میں گزر جائے۔

زخمِ دل منظرِ مبادا بہ شود آگاہ باش
کایں جراحات یادگارِ ناوکِ فرکانِ اوست
کیفیت سے دست بردار ہونے کی کوئی صورت ہے تو فقط یہ کہ
مدینہ منورہ حاضر ہو جاؤں اور وہاں کی فضا میں اپنے آپ کو گم کر دوں۔ ورنہ
بڑھا وصل سے اور بھی سوزِ عشق
یہ رونا رہا عمر بھر کے لئے

دلی کا سفر پر لطف ہوتا اگر سارا گھر جاتا۔ فقط میاں علی مقتدی دہوی
سنبھالنے کی غرض سے ہمراہ ہیں۔ کبھی میں انہیں لئے لئے پھرتا تھا۔ اب یہ

روانگی سے قبل ڈبے صاف بھی خوب تھے۔ لیکن صبح آنکھ کھلی تو صفائی باقی نہیں رہی تھی۔ ریل کا عملہ شاید صفائی کی طرف صبح شام توجہ کرنی ضروری نہیں سمجھتا۔ ڈائمنگ کار کا انتظام بھی خراب ہے۔ کل شام خالی پیاؤ کی دو پیالیاں ساڑھے دس آنے میں ملی تھیں۔ آج ناشتے کا کافی کس تین روپے ایک آنہ چارج کیا گیا۔ چاء شام کی بھی بد مزہ تھی اور صبح کی بھی۔ صبح دو دو چو لایا گیا وہ پچٹ چکا تھا، مگر اُسے ڈائمنگ کار والوں نے بدل ضرور دیا۔ رات کو ریگستان کا اندھیرا اور دن کو ریگستان دیکھتے دن کے ساڑھے بارہ بجے لاہور پہنچے۔ ریگستان کی چاندنی راتیں بھی دیکھنے کے لائق ہیں، اور ریگستان کی اندھیری راتیں بھی۔

لاہور ریلوے اسٹیشن پر خواجہ فضل احمد خاں شیدا۔ تھانوی عبدالواحد سابق کسٹوڈین شاہی قلعہ لاہور۔ پرنس خیر الدین خورشید شاہ۔ مہیڈ آف۔ ری ایکس مغل رائل فمیلی اور میاں ممتاز احمد موجود تھے۔ اسٹیشن سے میاں احمدین کے ہاں گلبرگ کا لونی آئے۔ احمد حسین میرے سب سے بڑے بھائی ہیں اور ممتاز احمد سب سے چھوٹے بھائی۔ پرنس خیر الدین صاحب نے کراچی تاریخی بھیجا تھا اور راج بھی اصرار فرمایا کہ میرے ہاں قیام کیجئے۔ میں نے عرض کیا کہ قیام تو یہیں رہنے دیجئے۔ اپنے ذقے لاہور کا دکھانا اور جن جن سے میں یہاں ملنا چاہتا ہوں، اُن سے ملنا نہ رکھئے۔ کل علی الصباح وہ اور قاضی صاحب اور شیدا صاحب آئیں گے اور ہم لاہور کا گشت کرنے نکلیں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ پچاس برس پرانی بات ہے میں ایک دفعہ ۱۳ اپریل ۱۹۵۹ء لاہور آیا تھا۔ جب (میر) شیخ عبدالقادر نے دفتر وکالت دلی سے لاہور منتقل کیا ہے اور ڈاکٹر محمد اقبال نے نئی وکالت

مجھے سمجھالیں گے۔ ذلک فضل اللہ۔

خیر عید کے تیسرے دن پورے چار بجے تیز گام میں سوار ہوا اور تیز گام نے لاہور کا رخ کیا۔

مولانا مہر القادری۔ مولانا مہر دہلوی۔ مولانا رازق الخیری۔ مسٹر صادق الخیری۔ قاری عباس حسین۔ خواجہ علی نظامی۔ مسٹر انیس ہاشمی قیسی رامپوری۔ ڈاکٹر محمد الیاس، اسسٹنٹ ڈائریکٹر ہیلتھ سروسز۔ مسٹر لطیف الرحمن صدیقی۔ مسٹر محمود احمد خاں۔ ڈاکٹر ایم ایچ متجاد، ڈی۔ ڈی۔ ایس۔ مسٹر رضا، سکریٹری ڈاکٹر سجاد صاحب۔ مسٹر بدرالاسلام، اسسٹنٹ رجسٹرار کراچی یونیورسٹی۔ بھائی وحید مرزا۔ رسالدار میجر حاجی کامیاب خاں رخصتی ملاقاتیں کرنے آئے۔ خان بہادر شیخ حبیب الرحمن او۔ بی۔ ای۔ نواب قمرالاسلام۔ حمید شاہ خاں۔ محمد شریف خاں۔ احمد بھتیجا واحدی۔ موسیٰ رضا واحدی۔ عیسیٰ رضا واحدی۔ مسٹر خورشید احمد۔ مسٹر یامین۔ مسٹر احمد اصطفیٰ خاں۔ محمد علی۔ رخصانہ۔ مسٹر اورنگ زیب الرحمن من ہر نظامی نے ریلوے اسٹیشن تک مشایعت فرمائی۔ من ہر نظامی صاحب ایک اسٹیشن آگے تک ساتھ رہے۔ ان سب کی یاد شریک سفر ہے۔

۱۳ اپریل ۱۹۵۹ء ریل میں وقت آرام سے کٹا۔ تیز گام کے انٹرکلاس کی تعریف سنی تھی اور اسی کی سیٹوں کو ریزرو کرایا تھا، جیسا سنا تھا ویسا پایا۔ ایسا انٹرکلاس انگریزوں کے زمانے میں نہیں ہوتا تھا۔ بعض اعتبار سے یہ انٹرکلاس سیکنڈ سے اچھا ہے۔ کراچی اور لاہور کے درمیان ریگستان ہے۔ موجودہ انٹرکلاس کے شیشے کچھ اس طرح چڑھائے گئے ہیں کہ خاک نے بہت کم ستایا۔

شرد فرمائی ہے۔ مجھے اور حضرت خواجہ حسن نظامی کو غلام غوث صمدانی (مسابقہ اسٹیٹ انجینیئر ہاؤس پور) کی شادی میں جالندھر جانا پڑا تھا۔ صمدانی صاحب اُن دنوں علی گڑھ کالج کے طالب علم تھے، اور ہم لوگوں کے دوست تھے۔ جالندھر میں خواجہ صاحب نے کہا، ڈاکٹر صاحب اور شیخ صاحب سے ملتے چلیں۔ ہم گیارہ بجے کے قریب ڈاکٹر صاحب کے دفتر پہنچے۔ شیخ صاحب کو بھی وہیں بلا لیا گیا۔ دوپہر سے رات تک چاروں دفاتر میں بند بیٹھے رہے۔ جو انارکلی بازار میں تھا۔ رات کے نو بجے ڈاکٹر صاحب اور شیخ صاحب ہیں اسٹیشن پہنچا گئے۔ انارکلی بازار کا تو تھوڑا سا تصور ہے۔ لیکن اسٹیشن سے انارکلی اور انارکلی سے اسٹیشن کا مطلق تصور نہیں۔ لہذا اُس آنے کو نہ آتی ہی سمجھنا چاہئے اور میں لاہور دیکھنے گیا آج پہلی دفعہ نکلی رہا ہوں۔

سوا آٹھ بجے پرنس خیر الدین اور بھائی فضل احمد صاحب تشریف لے آئے۔ اُن دونوں کے ہمراہ ہم دونوں (باپ بیٹے) شاہی مسجد پہنچے۔ شاہی مسجد کے دروازے پر ایک طرف علامہ اقبال مدفون ہیں اور دوسری طرف سرسکندر جیتا۔ میں تربت اقبال کے سامنے کھڑا ہوں اور مجھے حلقہ کا وہ دن یاد آ رہا ہے کہ اقبال تکمیل علوم و فنون کرنے یورپ جا رہے ہیں۔ میر غلام بھیک نی رنگ اور شیخ محمد اکرام (معاون مدیر محزون) نے اُن کا لاہور سے دلی تک ساتھ دیا اور دلی میں منشی نذر محمد (ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف سکولز، دلی) اور خواجہ حسن نظامی ریلوے اسٹیشن پر پیشوائی کو پہنچے۔ ریل سے اتر کر گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اقبال نذر محمد صاحب کے مکان میں ٹھہرے جو ریلوے اسٹیشن کے قریب تھا۔ وہاں سے قافہ درگاہ آسمان پائے گاہ حضرت سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الہی میں حاضر ہوا اور اقبال نے مزار کے پاس تکلیف کرا کر مندرجہ ذیل نظم پڑھی

اور پارٹی کی خاطر باہر کھڑے ہو کر اُسے دوبارہ سنا یا۔

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تیری فیض عام ہے تیرا
تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسح و خضر سے ادنیٰ مقام ہے تیرا
ترے وجود سے روشن ہے راہ منزل شوق
دیار عشق کا مصحف کلام ہے تیرا
نہاں ہے تیری محبت میں رنگ محبوبی
بڑی ہے شان، بڑا احترام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قائم
نظام مہر کی صورت نظام ہے تیرا
کریم، کریم، کہ غویب الدیار ہے اقبال
مرید پیر نجف ہے، غلام ہے تیرا

اگر سیاہ دلم، دایہ لالہ زار تو ام

وگر کشادہ جبینم، گل بہار تو ام

کیا ہے تیرا مقدر نے مدح خواں مجھ کو
مجھے ہزار مبارک مری زباں مجھ کو
بھلا ہو دو نون ہمار میں حسن نظامی کا
ملا ہے جس کی بدولت یہ آستان مجھ کو
مرنے سفینے کو تو نے کنارہ بوس کیا
اناں نہ دیتا تھا جب بحر بیکراں مجھ کو
فلک نشین صفت مہر ہوں زمانے میں
تیری دعا سے عطا ہو وہ نردباں مجھ کو
رہوں میں خادم خلق خدا جیوں جب تک
نہیں ہے آرزوئے عمر جاوداں مجھ کو
قسم ہے اپنے دل دردمند کی آقا!
تیری ثنا کے لئے حق نے دی زباں مجھ کو

شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے

یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

اقبال کی آواز میں درد اور لہجے میں رقت ہے۔ احباب، اور دوسرے حاضرین بھی متاثر ہو جاتے ہیں۔ ہر شخص آفرین اور آمین پکارنے لگتا ہے۔ درگاہ سے پارٹی خواجہ حسن نظامی کے گھر جاتی ہے اور لنگر کا کھانا کھاتی ہے۔ خوش گلو وال ولایت خاں جو ابھی نو عمر ہے، غالب کی غزلیں گاتا رہتا ہے۔

لے شاعرانہ مبالغہ ہے لے مرحوم۔

خواجہ صاحب کے ہاں سے سب مرقد غالب پر جاتے ہیں۔ میر نیرنگ مرقد کے سرہانے لوح مرقد پر ہاتھ رکھے بیٹھے ہیں۔ اُن کے دائیں جانب اقبال عالم محویت میں سرنگوں ہیں۔ باقی حضرات مرقد کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں۔ دو بجے کا وقت۔ ستمبر کا مہینہ۔ دھوپ تیز اور ہوا بند۔ مگر کسی کو گرمی کا خیال نہیں آتا۔ ولایت دست بستہ عرض کرتا ہے۔ حضور! مرزا صاحب کی ایک غزل اجازت ہو تو پیش کروں۔ سرود بہ مستان یاد دہانیاں۔ یہاں کسے غزل کا ولایت کہاں دل سے تری تھکا جگر تک اتر گئی۔ دونوں کو ایک ادائیں رضامند کر گئی اور ان دو شعروں نے پہل چا دی۔

اُرتی پھرے ہے خاک مری کوئے یار میں
بارے اب اے ہوا، ہوس بال و پر گئی

وہ بادۂ شبانہ کی سرمستیاں کہاں
اُٹھئے، بس اب کہ لذت خواب سحر گئی
غزل ختم ہوئی اور کئی منٹ میں ہوش بجاموئے تو پارنی اٹھی اقبال نے غالب کی لوح تربت کو بوسہ دیا اور دلی ریلوے اسٹیشن کا راستہ لیا۔

میں نے مزار اقبال پر فاتحہ پڑھ کر شاہی مسجد کے اندر قدم رکھا۔ اورنگ زیب کی اس یادگار نے شاہجہاں کی یادگار کا نقشہ سامنے لا کر رکھا۔ فرق فقط اتنا ہے کہ شاہجہاں کی جامع مسجد میں ایک انچ بڑھنے اور ایک انچ گھٹنے کی گنجائش نہیں ہے۔ اورنگ زیب کی جامع مسجد کا صحن ذرا غیر متناسب ہے۔ جامع مسجد لاہور کی بابت بھائی فضل احمد صاحب نے بتایا کہ جب یہ سلسلہ ملازمت ۱۹۷۹ء میں وہ لاہور آئے تو صحن کی تینوں سمتیں کھنڈر ہو رہی تھیں۔ انھوں نے کچھ حصے دکھائے جو آج بھی کھنڈر میں اور فرمایا کہ تینوں سمت یہ حالت تھی۔ اللہ سکندر حیات کو کروٹ کر دے جنت

عطا فرمائے اُس نے توجہ کی اور اتنا روپیہ جمع کر دیا اور ایسا بند و بست کیا کہ مرقد ہو رہی ہے اور مسجد دلہن بنتی جاتی ہے۔ مسجد سے باہر آکر مرقد سر سکندر حیات پر حاضری دی اور فاتحہ خوانی کی۔ علامہ اقبال سے عمر بھر تعلق رہا۔ سر سکندر سے صرف ایک مرتبہ سر شری رام (دلی کلکتہ ملز) کے کسی ایٹھ ہوم میں ملا تھا۔ شاہی مسجد سے اپنے خالہ زاد بھائی سید معین الدین کے ہاں گیا۔ اُن کے مکان کے نیچے ڈاکخانہ ہے۔ مسٹر دلی اشرف صہجی دہلوی، اُن کے دو کے مشہور و معروف افسانہ نویس اور ادیب وہاں پوسٹ ماسٹر ہیں، اُن سے ملا۔ پھر مسٹر منظر انصاری کے پاس پہنچا۔ منظر انصاری صاحب بھی دلی کے پرانے لکھنے والے ہیں۔ قندیل لاہور اور رہا پوں لاہور کے اسٹنٹ ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔ اب کتابوں کی دوکان کر لی ہے۔ دوپہر کا کھانا پرنس خیر الدین کے ساتھ کھایا۔ کھانا کھا کر بھائی فضل احمد کے ہاں دو گھنٹے ٹھہرا۔ بھائی صاحب کے مکان اور پرنس کی کوٹھی میں زیادہ فاصلہ نہیں ہے۔ پھر بھائی فضل احمد کی بیٹی صغیرہ اور داماد سید افضل حیدر زیدی کے ہاں ہوتا اور پروفیسر سید صغیر علی فرید آبادی۔ مولوی شمس الاسلام تھی۔ مسٹر حمید نظامی اور خواجہ محمد شفیع سے ملتا قیام گاہ آگیا۔ آج چوہدری نذیر احمد خاں صاحب (پریڈنٹ پار ایسوسی ایشن لاہور) نے مجھے، میرے لڑکے علی مقتدی واحدی اور میرے بھائی احمد حسین کو شام کے کھانے کی دعوت دی تھی۔ احمد حسین طبیعت کی ناسازی کی وجہ سے نہیں جاسکے۔ کھانے میں کراچی کے سابق میئر اور سندھ کے رئیس مسٹر حاتم علی بھی شریک تھے، انھوں نے ہی ہیں واپس قیام گاہ پہنچایا۔

اے قائد ملت یا قت علی خاں کے زمانے میں وزیرِ نعت تھے۔ اب جنرل محمد ایوب خاں نے پاکستان کا الوداع جنرل مقرر کیا ہے۔

۱۵ اپریل ۱۹۵۹ء دور روز سے یہ ہو رہا ہے کہ پرنس خیر الدین اور بھائی فضل احمد صبح آٹھ بجے آجاتے ہیں۔ پرنس تھوڑی دیر ساتھ پھرتے ہیں۔ پھر موٹر ہمارے حوالے کر کے خود کرائے کی سواری میں اپنے کاموں کے لئے چلے جاتے ہیں۔ بھائی فضل احمد صاحب شام تک رہتے ہیں۔ بھائی مجھ سے آٹھ نو سال بڑے ہیں۔ اُسی سے اوپر عمر ہے۔ انھیں میں نے تھکا مارا ہے۔ میں بھی خلاف معمول مصروفیت سے تھک جاتا ہوں۔ لیکن لاہور کب آؤں گا اور دلی کب جاؤں گا۔ تھک کر مر بھی جاؤں تو کیا ہے اور بھائی صاحب کی اسی طرح لکھی ہے، تو اُسے کون روک سکتا ہے۔

آج اول حضرت داتا گنج بخش کی درگاہ میں حائر ہوئے۔ وہاں سے پرنس کو رخصت کیا اور بھائی کو پکڑے رکھا اُن کے بغیر لاہور دیکھ کیسے سکتا ہوں۔ لاہور دیکھنا ہے تو انھیں تکلیف دینی ہے پڑے گی۔ انھیں فہرست دے دی ہے کہ ان صاحبان سے ملنا چاہتا ہوں۔ جن کا مکان راستے میں آجائے گاڑی رکوا ئیے، اور ملوادیجے۔

آج ملنے فقط آغا شورش کاشمیری سے گیا تھا۔ مولانا محمد ادریس دبرادر سبحان الہند مولانا احمد سعید کی دکان شورش صاحب کے پرہوس میں ہے۔ مگر ادریس صاحب دلی گئے ہوئے تھے۔

شورش صاحب کے پاں سے جہانگیر کے مقبرے گیا۔ جہانگیر کا مقبرہ ہمایوں کے مقبرے سے بڑا ہے لیکن اُس کی وضع قطع ہمایوں کے مقبرے اور منصور کے مقبرے کے مشابہ ہے۔ شاہی مسجد نے دلی کی جامع مسجد کو سامنے لا کر اُکھڑا کیا تھا۔ حضرت داتا گنج بخش کی درگاہ نے حضرت سلطان المشائخ کی درگاہ کا نقشہ کھینچ دیا۔ جہانگیر کے

مقبرے میں ہمایوں اور منصور کے مقبروں کی فضا ہے۔ چرکوں کی ابتدا ہو گئی۔ درگاہ حضرت داتا گنج بخش میں خواجہ غریب نواز سلطان الہند حضرت معین الدین اجمیری کا چلہ ہے۔ جہاں خواجہ خواجگان معتکف رہے ہوں، وہاں کی عظمت کا کیا ٹھکانا ہے۔ حضرت داتا گنج بخش کی درگاہ میں جو مسجد ہے اُس کی پیشانی پر اس قسم کے ارشادات مرقوم ہیں۔

۱۔ جس کام میں نفسانی غرض شامل ہو جائے اُس سے برکت اٹھ جاتی ہے۔
۲۔ "نماز ایسی عبادت ہے کہ طالبان حق اللہ تعالیٰ کی راہ میں ابتداء سے لے کر انتہا تک اس ذریعے سے راستہ پاتے ہیں۔"
یہ ارشادات داتا صاحب کے ہیں۔

جہانگیر کے مقبرے کے برابر آصف خاں کا مقبرہ ہے، اور اُس کے برابر نور جہاں کا مقبرہ۔ نور جہاں جس کا نام جہانگیر کے نام کے ساتھ سنگ پر کندہ کیا جاتا تھا۔ جہانگیر سے ذرا دور سو رہی ہے۔ قبر شکستہ ہو گئی تھی۔ حکیم اجل خاں نے اسے درست کرایا۔ حکیم صاحب کی طرف سے ایک کتبہ بھی لگا ہوا ہے۔ مگر قبر سے الگ گنبد کی دیوار میں۔ قبریں گنبد کے نیچے دو ہیں۔ خدا معلوم نور جہاں کی قبر کونسی ہے۔ ممکن ہے حکیم صاحب کو بھی معلوم نہ ہو، اور اسی لئے لوح مزار، مزار پر نہ لگائی ہو۔

آصف خاں، نور جہاں کا وہ بھائی تھا جس کی بیٹی ممتاز محل شاہ جہاں کی ملکہ تھی۔ آصف خاں نے شاہ جہاں کو تخت دلانے میں نور جہاں کا مقابلہ کیا تھا۔ نور جہاں شہریار کو بادشاہ بنانا چاہتی تھی جو اُس کا داماد تھا۔ شیر افکن سے جو بیٹی ہوئی تھی وہ شاہزادہ شہریار سے منسوب تھی۔

جہانگیر کے مقبرے میں رونق ہے۔ آصف خاں اور نور جہاں کی قبریں عالم کس پرسی میں ہیں۔ جہانگیر اور نور جہاں دونوں لاہور کے عاشق تھے۔ یہاں کی مٹی کو دارالسلطنت اگرہ کی مٹی پر دونوں نے ترجیح دی تھی۔ نور جہاں کا ایک شعر

صلاح الدین صاحب (ایڈیٹر ادبی دنیا) نے سنایا کہ جی ہے۔

لاہور را بجان برادر خریدہ ایم

جان دادہ ایم و جنت دیگر خریدہ ایم

بارہ بجے قیام گاہ لوٹ آئے۔ بھائی فضل احمد صاحب کو آرام کرنے کی ہمت دے دی۔ میں بھی کچھ کھٹار با کچھ سوتا رہا۔ چار بجے پرنس خیر الدین صاحب نے فون کیا کہ موٹر بگڑ گئی ہے۔ ورکشاپ بھیج رکھی ہے۔ آپ کوئی اور انتظام کر کے حمید نظامی صاحب کے ہاں چلے جائیے۔ حمید نظامی صاحب (ایڈیٹر روزنامہ نوائے وقت) نے مجھے چاند نوشی کے لئے بلایا ہے۔ پانچ بجے اُن کے ہاں ہونا چاہئے۔ اب کیا کروں۔ گلبرگ لاہور کی ایسی کالونی ہے جہاں کا ہر مکین موٹر نشین ہیں۔ کرایہ کی سواری یہاں آسانی سے نہیں ملتی۔ میرے بھانجے سید احمد حسین کے پاس بھی موٹر ہے۔ لیکن وہ ہمہ وقت اُن کے کام میں رہتی ہے۔ احمد حسین کی طبیعت آج کل اچھی نہیں ہے۔ اس کے باوجود انھیں مسلسل مصروف دیکھتا ہوں۔ ابھی دفتر میں ہیں، ابھی ایئر پورٹ۔ احمد حسین پاکستان انٹرنیشنل ایر لائنز کی لاہور برانچ کے منیجر ہیں۔

خیر میں نے احمد حسین کے بیٹے اور اپنے پوتے آصف کو رہنما بنایا اور بس اور تانگے کی تلاش میں نکلا۔ آدھ گھنٹے کے بعد ایک خالی تانگہ دکھائی دیا جو کسی کو پہنچا کر واپس جا رہا تھا۔ میل ڈیڑھ میل کا سفر طے کیا ہو گا کہ پرنس کی موٹر تعاقب کرتی آگئی اور موٹر نے ٹھیک پانچ بجے حمید نظامی صاحب کی کوٹھی میں جا اتارا۔ بھائی فضل احمد صاحب پرنس کے ساتھ تھے۔

حمید نظامی صاحب نے میاں بشیر احمد، ایڈیٹر مایوں (سابق سفیر پاکستان برائے ترکی) ڈاکٹر فواد اقبال، بیرسٹر (فرزند علامہ اقبال) مسٹر صلاح الدین (ایڈیٹر ادبی دنیا) آغا شورش کشمیری (ایڈیٹر اخبار جہان) خواجہ عبدالرحیم بیرسٹر (سکرٹری بزم اقبال لاہور) اور کئی

اور حضرات کو مدعو کیا تھا۔ میری طبیعت کے مطابق اجتماع تھا۔ یہ اجتماع کافی دیر رہا۔

آج دوپہر کا کھانا بھائی فضل احمد صاحب کے ہاں کھانا ۱۶ اپریل ۱۹۵۹ء ہے۔ اس لئے وہ تشریف نہیں لاسکے۔ اُن کے ہاں

جانے سے قبل میں چوہدری غلام احمد صاحب پرویز سے ملا۔ پھر میاں سلطان احمد صاحب وجودی کے گھر گیا۔ وجودی صاحب موجود نہیں تھے۔ وجودی صاحب کے گھر سے حضرت شاہ ابوالمعالیؒ کی درگاہ میں حاضر ہوا۔ اس درگاہ کو لوگوں نے بے غور اچھوڑ رکھا ہے۔ گیارہ بجے تک بھاڑ دہلیس دی گئی تھی۔ گنبد کی چھت کیل رکھیں ہو رہی ہے۔ مقبرہ جہانگیر کے منارے کی طرح نہ ہائے کب گر پڑے اور کب دو چار جانیں لے لے۔

دوپہر کو بھائی فضل احمد کے ہاں دعوت تھی اور شام کو آغا شورش کشمیری کے ہاں۔ آغا صاحب نے متعدد نئے حضرات سے ملاقات کا موقع دیا۔ خواجہ عبدالرحیم اور مسٹر حمید نظامی کی بھی ایک دفعہ اور صورت دیکھ لی۔ مرحوم جرنل سید حبیب شاہ کے برادر زادے سید عنایت شاہ اور ڈاکٹر کٹر فوڈ، میاں محمد شفیع بھی شریک طعام تھے۔ سید عنایت شاہ پاکستان کے مشہور فطرساز ہیں۔ احمد حسین کی طبیعت آج اتنی مضبوط ہے کہ دفتر نہیں جاسکے۔

۱۶ اپریل ۱۹۵۹ء اُن کی دلہن میری ہیرات کا خیال رکھتی ہیں کل انھوں

نے احمد حسین سے کہا، ماموں صاحب کا اور بڑے بٹیا کا ملنا۔ ہاجاتا ہے۔ بڑے بٹیا یعنی خان بہادر سید محمد، میرے بھچا زاد اور میرے بہنوئی خاں صاحب سید احمد کے حقیقی بڑے بھائی۔

مجھے علم نہ تھا کہ خان بہادر صاحب لاہور کی سکونت اختیار کر چکے ہیں۔ محکمہ نمک کی اسٹنٹ کمشنری سے پیشہ لینے کے بعد وہ دلی کلاتھ مل والوں کے

محکمہ شہر سازی (دورالعمل) کے منیجر ہو گئے تھے اور وہاں سے ۱۹۴۷ء میں لاہور کاٹن مل آئے تھے۔ میں احمد حسین کی موٹر لے کر صبح سوا آٹھ بجے بھائی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میجر رفیق بھائی صاحب کے منجھنے واما د بھی تشریف فرما تھے۔ رفیق صاحب میرے دوست خواجہ احمد انشد مرحوم کے فرزند ہیں۔

ڈیڑھ بجے پرس خیرالدین - قاضی عبدالواحد اور خواجہ فضل احمد خاں شیدا آگئے اور ہم سب نماز جمعہ کے لئے گئے۔ پرس نماز جمعہ درگاہ حضرت داتا صاحب کی مسجد میں پڑھا کرتے ہیں۔ وہ وہاں اتر پڑے۔ ہم شاہی مسجد پہنچے شاہی مسجد میں ولی اشرف صہوجی منتظر تھے۔ انہیں بھی ساتھ لیا اور شاہی قلعہ دیکھنے چلے۔ قاضی عبدالواحد صاحب محکمہ آثار قدیمہ کے آدی ہیں۔ پاکستان بننے کے بعد سے اسی شاہی قلعہ کے کنسٹرکشن تھے۔ پچھلے سال بنی ہوئی ہے۔ قلعہ کو

دکھانے والا ان سے بہتر کون ہو سکتا تھا۔ قلعہ کا چپہ چپہ دکھایا۔ قلعہ میں اکبر - جہانگیر - شاہجہاں اور عالمگیر کی یادگاریں ہیں اور کہیں کہیں عہدِ رنجیت سنگھ کے نشانات بھی۔ جہانگیر اور شاہجہاں کی خواب گاہوں نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا۔ شاہجہاں کی لاہوری خواہگاہ کا دتی کے لال قلعہ میں بھی جواب نہیں ہے۔ باقی عمارتوں کی نسبت قاضی صاحب کا یہ ریمارک لکھ دینا کافی ہے کہ شاہجہاں نے یہاں اپنے طرز تعمیر کی بنیاد ڈالی اور دتی، اور اگر دہلی اس کی تکمیل کر دی۔

میں تو یہاں کی ہر چیز کو دیکھ کر کہہ رہا ہوں۔

اے گل بہ تو خور سندم تو بولے کسے داری

شاہی قلعہ میں قلعہ کے ہیڈ کوارٹر صاحب نے چاء پنائی۔

شاہی قلعہ سے مثالا مار باغ پہنچے۔ مثالا مار میں ہماری خاطر فوارے چلا دیے گئے تھے اور مثالا مار کی بہار کو کھل کر دیا گیا تھا۔ عصر کی نماز مثالا مار کے محسنی

فرش پر ادا کی۔

مثالا مار باغ سے درگاہ حضرت میاں میر گئے۔ حضرت کے مزار پر اور حور بانو بنت خواجہ حسن نظامی کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ درگاہ حضرت سلطان المشائخ کی حور بانو درگاہ حضرت میاں میر میں دفن ہیں۔

درگاہ حضرت میاں میر سے پرس خیرالدین کی کوٹھی آئے۔ بے ضابطہ تو ان کا دسترخوان ہر وقت بچھا رہا لیکن آج باضابطہ دعوت ہے۔ سٹر حمید نظامی - آغا شورش کشمیری - سید احمد حسین - خواجہ فضل احمد شیدا - خواجہ ظہیر احمد اور قاضی عبدالواحد وغیرہ بلائے گئے ہیں۔ میرے ساتھ علی مقتدی واحدی تو ہر جگہ ہوتے ہی ہیں۔

۱۸ اپریل ۱۹۵۹ء آج انشاء اللہ دلی روانہ ہونا ہے۔ لاہور سے جا رہا ہوں۔ مجھے لاہور بہت پسند آیا۔ کراچی کی بے آبی

اور بے گیاہی کا لاہور بدل ہے۔ پاکستان میں بہ حیثیت مجموعی اس جیسا شہر دوسرا نہیں۔ افسوس میں نے اسے پہلے کیوں نہ دیکھا۔ بار بار دیکھنے کے لائق شہر ہے۔ مگر میں اب بار بار کہاں دیکھ سکتا ہوں۔ لاہور باغوں کا شہر ہے اور یہاں کے لوگوں میں زندگی ہے۔ لاہور میں پنجاب کے تمام اوصاف سمٹ کر جمع ہو گئے ہیں اور تعلیم نے ان پر صیقل کر دی ہے۔ لاہور والوں کے پاس آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے ہیں، دل ہے جس سے وہ محسوس کرتے ہیں، دماغ ہے جس سے وہ سوچتے ہیں۔ تندرستی ہے، جوانی سے عمل کراتی ہے۔ وہ سوچتے نہیں رہ جاتے، کر کے دکھاتے ہیں۔

اُردو کا مستقبل اہل پنجاب کے ہاتھ میں ہے، وہ پاکستان میں ہوں یا ہندوستان میں۔ مسلمان ہوں یا ہندو اور سکھ۔ لاہور پنجاب کا دل ہے۔ اچھا

لاہور خدا حافظ۔ تجھے معلوم رہے کہ میں اُس دور میں پیدا ہوا تھا جب دلی صوبہ پنجاب میں تھی۔ پورائے اُس کے بعد بھی مجھے جن باہر والوں سے واسطہ رہا ہے وہ سب پنجاب کے تھے۔

سارے بارہ بجے احمد حسین کی کوٹھی سے رخصت ہوا۔

کراچی میں میری ایک بیوی تھی۔ میرے لڑکے احمد مجھے اواحدی کی بیٹی۔ اُسے میں نے مینا کا خطاب دیا ہے۔ لاہور میں بھی مجھے ایک بیوی مل گئی۔ میرے بھانجے احمد حسین کی بیٹی۔ وہ ماشاء اللہ بلیں ثانی ہے۔ بلیں میں اُس کی پھوپھی یعنی اپنی بھانجی اُمّۃ النصیر کو کہا کرتا تھا۔ بلیں ثانی کو غالباً اللہ میاں نے بتا دیا ہے کہ دادا اب صرف اُسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں جو اُن کی طرف توجہ کرنے میں پہل کرے۔ میں اپنے دل پر بلیں ثانی کا نقش لے جاتا ہوں۔

آج صبح مولانا ابوالاعلیٰ مودودی سے ملا تھا۔

بھائی فضل احمد اور پرنس خیر الدین ٹرین میں سوار کرانے آئے۔

بھارت کے مسافروں کو ٹرین میں سوار ہونے سے قبل ایک برزخ سے سابقہ پڑتا ہے، جسے قبر تو نہیں کہتے، چک پوسٹ کہتے ہیں، لیکن مجھے یہی محسوس ہوا کہ قبر میں پہنچا دیا گیا ہوں اور ساتھی منکدیکیر کے حوالے کر کے واپس چل دیے ہیں۔ پرنس نے غالباً میرے احساس کو محسوس کیا اور وہ اپنے اثر و رسوخ سے کام لے کر بھائی صاحب سمیت چک پوسٹ میں داخل ہو گئے۔ وہاں کی فضا ایسی تھی کہ میرا جی چاہا کہ دلی کا خیال ترک کر دوں اور کراچی کے گٹ مٹکالوں۔

مسٹر سلیم الدین، انجینیئر جم سفر ہیں۔ سلیم صاحب فرسٹ کلاس میں ہیں اور ہم سکند کلاس میں۔ سلیم صاحب ہمارے پاس برابر پھیرے کرتے رہے۔ اُن سے کافی مدد ملی اور تقویت رہی۔

امرت سر چک پوسٹ کا منظر بھی لاہور چک پوسٹ جیسا تھا۔ ہم کراچی سے قریب بے سامان آئے ہیں اور انشاء اللہ دلی سے بے سامان جائیں گے اور شاید ہماری صورتوں پر یہ بات لکھی ہوئی ہے۔ چک پوسٹ لاہور میں ہم سے فقط اتنا پوچھا گیا کہ پاکستانی روپے کتنے ہیں۔ پاکستانی روپے ہمارے ہاتھ میں تھے۔ ہم نے سامنے رکھ دیئے۔ امرت سر چک پوسٹ میں اتنا بھی نہیں پوچھا گیا۔

چک پوسٹوں کو پل صراط بنانے والے عملے سے زیادہ مسافر ہوتے ہیں۔ خصوصاً مسافر عورتیں۔

امرت سر میں دو میاں بیوی تشریف لائے۔ فاضی اچھی حیثیت کے۔ بیوی نے چک کرنے والے کو بتایا کہ میرے شوہر پرنسٹر ڈپٹی پوسٹماسٹر ہیں۔ میاں زیادہ بوڑھے تھے۔ بیوی بھی بوڑھی تھیں، مگر شاید دوسری بیوی ہوں۔ بیوی نے چک کرنے والے سے بات چیت کی۔ میاں سعادت مند شوہر بنے خاموش کھڑے رہے۔ بیوی کے نزدیک قانون کی خلاف ورزی کرنی معمولی چیز تھی۔ اُنھوں نے اپنی بھی مٹی پلید کرائی اور معصوم شوہر کو بھی ذلیل کرایا۔ لاہور سے دلی تک کے سفر میں ہمیں ویسا آرام نہیں ملا۔ جیسا کراچی سے لاہور تک کے سفر میں ملا تھا، حالانکہ لاہور تک ہم انٹر کلاس میں آئے تھے۔ اور لاہور سے دلی تک سکینڈ کلاس میں آئے۔ تیز گام کا انٹر فزنیئر میل کے سکینڈ سے زیادہ صاف ستھرا اور آرام دہ ہے۔

کیا مرا چاند بکھنے کو ہے اے ہم سفر!

۱۹ اپریل ۱۹۵۹ء میری پکوں پہ ستارے سے یہ لرزاں کیوں ہیں

آنکھ کھلی تو میرٹھ کا اسٹیشن پیش نظر تھا۔ میرٹھ ہم اور خواجہ حسن نظامی صاحب اکثر آیا کرتے تھے۔ جب بھیا احسان الحق میرٹھ کے

رئیس تھے، میں اُنہ کر بیٹھ گیا۔ راستے کا ہر اسٹیشن جانا پہچانا تھا۔ اُتر انہیں ریل میں بیٹھا دیکھتا رہا۔ اسٹیشنوں کی عمارتیں نہیں بدلی ہیں۔ تختیاں بدلی گئی ہیں۔ اُردو کو اُن پر سے ہٹا دیا ہے۔ دلی کا اسٹیشن بھی حسب سابق تھا۔ اُٹلے ہوئے ہوں گے تو دور ہوئے ہوں گے۔

میرے پھوپھی زاد بھائی قاری سرفراز حسین مرحوم کے فرزند قاری اخلاق حسین اور میرے خال زاد بھائی خاں صاحب سید محمد ادریس کے فرزند مطیع احمد اور دوسرے خال زاد بھائی سید محمد اسحاق کے فرزند رئیس احمد موجود تھے۔ معلوم ہوا کہ ۵ اپریل کو قیوں روزانہ آ رہے ہیں۔ اذیر صاحبان بھی آتے تھے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی سلطان جی سے آ کر مایوس گئے۔ خواجہ انیس حسن بقائی شجاع الدین درگاہ حضرت خواجہ باقی باشت اور شاہ ہاجر حسین شجاع الدین درگاہ حضرت صابر بخش اور حکیم عبدالسلام نرنی کی بابت بھی سنا کہ آتے رہے۔

میں نے لکھ دیا تھا کہ عنقریب دلی پہنچوں گا۔ یہ نہیں لکھا تھا کہ کس دن اور کس وقت پہنچوں گا۔ میں احباب کو تکلیف سے بچانا چاہتا تھا۔ مگر انہیں اتنی زیادہ تکلیف ہوئی۔ مجھے اس کا افسوس ہے۔ میرے اندازے کی غلطی تھی۔

میرا خیال تھا کہ مقتدی بھائی ادریس صاحب کے ہاں اخلاق حسین صاحب کی موٹر میں چلے جائیں گے اور میں صبح کی واکنگ کرتا گڑھیا پہنچوں گا۔ لیکن اسٹیشن سے باہر نکلا تو دلی کی دنیا تبدیل پائی۔ راستہ نہ سمجھ سکا۔ لہذا موٹر میں

لے ملے احمد اور رئیس احمد کو میں نے نہیں پہچانا۔ رشتے یوں منقطع ہو کر رہے ہیں، ورنہ دنیا میں کون ہے جس سے کہیں نہ کہیں پہنچ کر میرا اور آپ کا تعلق نہ ٹکرائے گا۔ خیر ابھی ہمارے رشتہ داروں کی اور ہماری صرف قومیت میں فرق پڑا ہے۔ وہ بھارتی اور ہم پاکستانی۔ سب ایک قوم نہیں رہے۔

بیٹھ گیا۔ اوّل سیدھا چاندنی محل گیا۔ جہاں کبھی تحصیل تھی، وہاں اب پاکستان سے جامع مسجد کی طرف آنے والوں کو چوبیس گھنٹے کے اندر اندر اپنی حاضری درج کرانی ہوتی ہے۔ وہ کمرہ دیکھتا رہا جس میں میرے مرحوم دوست میر محمد حسین تحصیلدار عدالت کیا کرتے تھے۔ خاص اسی کمرے میں رپورٹ درج کی جاتی ہے۔ چاندنی محل سے بھائی محمد ادریس صاحب کے ہاں پہنچا۔ غسل کیا۔ چاہو بی۔ اور فوراً جامع مسجد جا کر دو نفل پڑھے۔ مولوی عبد الحمید صاحب ایڈیٹر رسالہ مولوی آگئے تھے، وہ ہمراہ تھے۔ پھر مولوی اسرار رحمن خاں صاحب تشریف لے آئے۔ وہ ریلوے اسٹیشن بھی گئے تھے۔ پیر زادہ عبدالحق فاروقی آگئے۔ جامع مسجد سے پوری پارٹی مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد کے مزارات پر حاضر ہوئی۔ مولانا ابوالکلام آزاد ایک وسیع کھڑے میں، خوشنما چھت کے نیچے آرام فرما رہے۔ چاروں جانب سرسبز لان ہے اور پانی سے بھرے حوض ہیں۔

راستے میں وکٹوریانہ ہسپتال رکا۔ بھتیجی صابرہ کی عیادت کی اور بھائی کو سلام کیا۔ ہسپتال کے قریب عزیز محمد خاں حسن پوری ل گئے۔

اب میں پہلے مردوں سے ملوں گا۔ درگاہ صابریہ، درگاہ میں حضرت شاہ صابر بخش اور حضرت شاہ میر عبداللہ کے مزارات پر فاتحہ خوانی کی۔ ان حضرات کے

لے اس درگاہ سے مجھے قسم کھنی چھپی ہے۔ بچپن میں اسی درگاہ کے آگے میں کھیل کر رہا تھا۔ درگاہ کے دروازے کے پاس درخت کے نیچے ایک بیت بڑا پتھر رکھا رہتا تھا، کھیتے کھیتے ٹھک جاتا تو اس پر جا بیٹھتا تھا۔ وہ پتھر اور وہ درخت دونوں اب بھی موجود ہیں، میں بوڑھا ہو گیا ہوں مگر وہ ویسے کے ویسے ہی ہیں۔

دوم یہ کہ حضرت شاہ صابر بخش رحمۃ اللہ علیہ میری پردادہی کے والد میر بخش علی خاں (آخری فوجدار شاہان مغلیہ) کے پیر تھے۔ شاہ صاحب کی رحلت کے وقت ان کے

(باقی صفحہ ۲۱ پر)

مٹل ملول، افسردہ سبزہ، شمع مٹل، بالیں اُداس
جی بھر آیا حالتِ گورِ غریباں دیکھ کر

قبرستان سے نکلا تو حکیم عبدالسلام صاحب زئی بھی سینہ چاکان چمن سے
آلیہ اور پوری پارٹی درگاہ حضرت سلطان المشائخ روانہ ہوئی۔ اول حضرت خواجہ
حسن نظامی کے مزار پر حاضری دی۔ وہاں خبر پاتے ہی خواجہ صاحب کے صاحبزادگان
خواجہ زید نظامی، خواجہ حسن ثانی نظامی، خواجہ مہدی نظامی اور بھتیجے، خواجہ حسن بشتی
اور پیرزادہ اسلام الدین امام مسجد درگاہ، ڈاکٹر ناصر الدین، قاضی صفدر علی، خواجہ
ابو حامد وغیرہ آگئے۔

خواجہ صاحب کے مزار پر خواجہ صاحب کا خود نوشتہ کتبہ لگا ہوا ہے۔
خواجہ صاحب فرماتے ہیں:-

"یہ قبر ایک مسلمان کی ہے۔ اس خاک میں وہ سوتا ہے جس
نے دنیا کی بیداری میں سوتے والوں کو جگانے کی خاطر اچھی اور بری
موت کا فرق قلم کی بجلی سے زندہ کر کے دکھا دیا۔

چار دن کی شہرت پر گھنٹہ نہ کرنا کہ یہ بھی بہت مشہور تھا۔ قوت
تحریر و تقریر کا غرور دل میں نہ لانا کہ اس کی طاقت انشا پر داری
نے بھی تمام ہندوستان میں دھاک بٹھادی تھی۔ مگر آج وہ ساری
دھوم اس تو دہ خاک میں چپ چاپ پڑی ہے۔

یہ اُس کی قبر ہے جس نے الواح قبور اس وقت لکھیں جب کہ
دنیا کی کسی زبان میں اُن کی نظیر موجود نہ تھی۔ لیکن یہ بے مثال باتیں
ایجاد کرنے والا بھی آخر مر گیا اور کہہ گیا کہ کامِ آخرت کی نیت سے کرنا۔
جس کا نتیجہ لازوال ہے، اس زندگی کے لئے نہیں، جہاں کا رہنا

سجادہ نشین شاہ صابر حسین صاحب اور اُن کے فرزند ناصر میاں اور ایک پُرانے
ہم محلہ محمد حسین صاحب موجود تھے۔ پھر ہندیوں کے قبرستان پہنچا۔ یہ حضرت
شاہ ولی اللہ کے خاندان کی اور ہمارے خاندان کی ہر وار ہے۔ میری والدہ، دادا۔
دادی مکی چچا۔ کئی پھوپھیاں۔ پہلی بیوی اور متعدد عزیز میاں ہیں۔ ہندیوں سے
جدید قبرستان گیا۔ اس میں عزیز بھی ہیں اور دوست بھی۔ مولانا راشدا لکھنوی۔
مولانا عارف ہسوی۔ مسٹر فصیح الدین شیخ یعقوب۔ منشی قرآن علی بسمل۔ خواجہ
فضل احمد شیدا کے چھوٹے بھائی خواجہ محمد احمد اور لڑکیاں سعیدہ اور نعیمہ جدید
قبرستان میں ہیں۔

(بقیہ نوٹ صفحہ ۲۰ کا) فرزند حضرت شاہ میر عبداللہ صاحب آٹھ نو برس کے ہوں گے۔
شاہ صاحب نے انھیں میر نجف علی خاں کے سپرد فرمایا تھا۔ میر نجف علی خاں اپنے پیرزادے
سے کس طرح پیش آتے تھے یہ لکھنے کی بات ہے۔ پیرزادہ صاحب ناشتہ کرتے تو، اور پیرزادہ
صاحب کھانا کھاتے تو، میر نجف علی خاں ضرور حاضر رہتے۔ ناشتہ اور کھانا ملازم پیش کرتا
لیکن میر نجف علی پیرزادہ صاحب کے سامنے نوزالو اور دست بستہ بیٹھے ہوئے ملازم
کے کام کی نگرانی کرتے تھے۔ آٹھ سالہ پیرزادہ صاحب مسند پر تشریف فرما ہوتے تھے اور
ساتھ ساتھ میر نجف علی خاں مسند سے باہر۔ اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ میر
نجف علی خاں صاحب نے میر عبداللہ صاحب کی کیا کچھ خدمت نہ کی
ہوگی۔ میر عبداللہ صاحب کی اولاد میر نجف علی خاں کی خدمات کو آج تک سراہتی ہے اور
میر نجف علی خاں کی اولاد سے دلی لگاؤ رکھتی ہے۔ موجودہ سجادہ نشین کے پردادا
محبت میاں امیر حسین صاحب عید کے دن ہمارے سب چھوٹے بڑوں کو عیدی دیا کرتے
تھے۔ چھوٹوں کو ایک ایک پیسہ اور بڑوں کو دو دو پیسے میں نے بھی یہ ایک پیسہ بارہا لیا
ہے اور آج بھی میراجی چادر ہاتھ لگا کر پرانی رسم کو تازہ روں۔ عید کا مہینہ تو ہے ہی
صابر میاں سے کہوں کہ عیدی دلوائیے۔

چند ساعت کا خواب و خیال ہے۔

خواجہ صاحب کے مزار پر فاتحہ خوانی کر کے حضرت امیر خسروؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ اور پھر حضرت سلطان المشعلؒ کے مزار پر پتھوڑی دیر خواجہ صاحب کے مکان میں بیٹھا۔

درگاہ سے واپسی کے بعد خواجہ انیس جن بقائی۔ گردھاری لال بقال۔ سبحان الہن۔ مولانا احمد سعید۔ لالہ داتا رام۔ حکیم مطلوب احمد۔ سردار دیوان سنگھ مفتوں۔ حکیم عبدالحمید، متوٹی ہمدرد و افانہ۔ صاحبزادہ مستحسن فاروقی۔ قاری فرید احمد اور حسیٰ خاکسب سے ملا۔ جسے دیکھتا ہوں وہ یہ شعریا دلا دیتا ہے۔ یہ کس کی نظر سے نظر مل گئی دلی گم شدہ کی خبر مل گئی

۲۰ اپریل ۱۹۵۹ء صبح چار بجے بیدار ہوا۔ پونے پانچ بجے حکیم عبداللہ زئی تشریف لائے۔ ان کے ساتھ جامع مسجد گیا۔ نماز فجر ادا کی۔

مولانا محمد حسین آزاد نے دلی کے ایک طبیب کے قتل کا ہے جو بیل گاڑی میں سوار حیدر آباد دکن جا رہا تھا۔ گاڑی جامع مسجد کے قریب پہنچی تو اس کی ٹٹ پلٹ گئی اور اس نے کہا ہے

کیا ہم سری ہوا اس کی بھلا کیا مجال
ہے اپنی وضع میں یہ زالی جہان سے
اس خائف خدا کا تو ثنائی محال ہے
اکثری زمیں پہ جس کی شبیہ آسمان سے
سب شعریا دہنیں۔ اور جتنے یاد میں ان کی صحت میں شبہ ہے لیکن آخری

بند غالباً اس طرح تھا۔

اور گاڑی اپنی تو بھی میاں گاڑی بان پھیر
اب پھرے زیاں سے تو قسمت کا جان پھیر

دلی سا شہر چھوڑا دکن کو نہ جائیں گے ساری یہاں نہ کھائیں گے آدھی ہی کھائیں گے
کیا کہتے ہیں اس طبلہ بجانے والے کے جس نے وطن کی محبت سے آگے
خلعت فاخرہ کی پرواہ نہ کی تھی۔

سوداگمار عشق میں خسرو سے کوہ کن بازی اگرچہ پانہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز لے روسیاہ ایتھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا
صفیہ روزگار پر دلی کی جامع مسجد میں تعمیر کا نا در نمونہ ہے۔

گر ز طاق و قبہ ایں مقصود ہوئی نشان
یہیچ نتواں گفت غیر از کہکشان آسمان
فریبو دے قبہ گر گردوں نہ بڑے شائیش

طاق بودے قبہ گر گردوں نہ بڑے سبباں
جامع مسجد سے گاندھی سمدی گیا۔ گاندھی سمدی سے پانچ منٹ کے فاصلے
پر پنڈت نیلورام کا مکان ہے۔ پنڈت جی نے میرے اور میر حسین تحصیلدار کے ساتھ
بیس برس مسلسل صبح کی ہوا غوری کی ہے۔ مگر ساڑھے گیارہ برس کی جدائی میں پنڈت جی
میری صورت بھول گئے تھے۔ مگر جب پہچانا تو اخلاص کا قدیمی رنگ عود کر آیا۔
محبت مجسم بن کر گلے لگا لیا۔

راستے میں لیاقت علی، دارونہ صفائی اور مشہور رودشتائی والے
خاں کے نواسے نواب محمد ادیس لے۔ پھر تید محمد جعفری صاحب سابق ایڈیٹر
کے ہاں گیا۔ جعفری صاحب میرے دوست بھی ہیں اور پڑوسی بھی۔ کوچہ چیلان میں
دریا گنج والے نمکڑے تراہا بیرم خاں تک یہ اکیلے مسلمان ہیں۔ اس لمبی شڑک کی
گلیوں میں دو، دو، چار، چار گھر مسلمانوں کے ادھتے گئے۔ ایک گھر گلی گرٹھیا
میں میرے خالہ زاد بھائی محمد اسحق صاحب کا بھی ہے۔ اسی شڑک پر وہ مکان ہے

قلب میں اک آگ سی بھڑکی بھڑک کر رہ گئی

اور

اس گٹھ میں برق سی چمکی چمک کر رہ گئی

وطن میں آج کچھ شہرت خوب روٹی ہے یہ گلیاں وہ ہیں طفلی و جوانی جن میں کوئی ہے

زباں ساکت، نظر محو فغاں ہے

یہ اپنا اپنا انداز بیاں ہے

حضرت مفتی کفایت اللہ کے فرزند مولوی حفیظ الرحمن ہتھم مدرسہ امینہ

دلی سے باہر گئے ہوئے ہیں۔ اُن کے لڑکوں اور بھانجوں اور بیٹوں مولوی

سیمع اللہ اور ملک یونین کے سکریٹری عبدالستار اور میونسپل کمشنر چوہدری

عبدالستار، مولانا ادا دصاہری، سملیل غوری، مولانا محمد سعید ممبر کارپوریشن۔

مسٹر مقیم الدین فاروقی، جنرل سکریٹری کمیونسٹ پارٹی صوبہ دہلی۔ پیرزادہ عبداللہ

فاروقی، ایڈیٹر خاتون مشرق۔ پیرزادہ عبداللہ فاروقی۔ مرزا صدیق بیگ مالک

وہ ہتھم محبوب المطالع اور گاما دفتری کے ہاں ہوتا درگاہ صابہ پہنچا اور رکھاتا

سجادہ نشین صاحب کے ساتھ کھایا۔ جعفری صاحب اور فاروقی برادران بھی شریک

طعام تھے۔ حسینی اور میرزا درگاہ میں ملنے آئیں۔ انھوں نے مجھے اور مقتدی واہی

کو ہار پہنائے۔ یہ دونوں وہی ہتھم انیاں ہیں جن کی تعریف میں اپنی کتاب میرے

زمانے کی دلی میں لکھ چکا ہوں۔ بڑی وفا شعار ماں بیٹیاں ہیں ہمیں دیکھتے ہی

اُن کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔

گھر پہنچ کر سنا کہ دار وند اختر حسین تھوڑی دیر میں آئیں گے اور

رپورٹ درج کرانے سی۔ آئی۔ ڈی کے دفتر لے جائیں گے۔ پاکستانیوں کو

پولیس چوکی اداری۔ آئی۔ ڈی کے دفتر دہجہ آمد کی رپورٹ کرنی پڑتی ہے۔ ان

جو کبھی میرا کہلاتا تھا اور جسے میں اپنا سمجھتا تھا۔ اُسے دیکھتا اور بھائی فضل احمد۔

رسالہ ارمیجر کامیاب خاں۔ سید بدرالاسلام ریونیورسٹی والے (میر محمد حسنین۔

دھیلدار) میر محمد حسین (میونسپل کمشنر) محمود احمد خاں۔ آغا محمد طاہر۔ قاضی لطیف

الحق۔ حق۔ رضا اللہ (انجینئر) کپتان حبیب الرحمن سی۔ آئی۔ اسی۔ مسٹر آصف علی۔

قاضی عباس حسین ظریف شیخ محمد یعقوب۔ مسٹر فصیح الدین (سکریٹری ہارڈنگ

لائسیری) پیر ذہیر مرزا محمد سعید۔ بھیا احسان الحق۔ مسٹر عظمت اللہ وکیل

اور بابو محمد دین ملنار کے مکانوں پر صدائے گانا آگے بڑھ گیا۔

جس گھر پہ لکرا، آئی ندا

اس گھر میں تمہارا کوئی نہیں

ان مکانوں کے پرلے میس کچھ پاکستان چلے گئے اور کچھ قبرستان میں

جاسوئے۔

دریا گنج کا بازار بڑی رونق پکڑ گیا ہے۔ لیکن دریا گنج سے میں کوچہ چیلان میں

داخل ہوا تو کوچہ چیلان کی حالت برعکس دیکھی۔ کوچہ چیلان کے تمام مکان اور

کوچہ چیلان کی تمام دکانیں مسلمانوں کی ملکیت تھیں۔ اس لئے اُن کی مرثیت

نہ ہونے سے چھپتے غائب ہو گئے ہیں۔ سفیدی نہ ہونے سے اندھیرا اندھیرا سا ہو

اور مکینوں کے بدل جانے سے فضا بدل گئی ہے۔ میرے کا سا نظارہ ہے۔

میں سوچا کرتا تھا خواجہ صاحب کے مدفن اور اپنی رہائش گاہ کو دیکھ کر قوت

برداشت کہیں جواب نہ دے دے۔ مگر خواجہ صاحب کے مزار پر تو عدم کیسوی

نے حفاظت کی۔ بہت سے کرم فرما گئے تھے اور رہائش گاہ کے سامنے پہنچا تو بہت

ہو کر رہ گیا۔ سمجھ ہی نہ سکا کہ میں کہاں ہوں۔ لیکن

میرے سکوت سے مجھے بے حس نہ جانے لفظوں ہی کی کمی ہے خیالات کی نہیں

آخر حسین چمدرد و دواخانہ میں ملازم ہیں۔ پہلے پولیس میں تھے۔ انھوں نے دفتر سی۔ آئی۔ ڈی کا کام آسانی سے کرادیا۔

سی۔ آئی۔ ڈی کے دفتر سے حوض قاضی پنچا اور لالہ شمسونانہ صاحب سے ملا۔ پھر مولانا عبدالسلام صاحب۔ منشی عبدالقدیر صاحب اور رشید خاں صاحب، پریسڈنٹ کانگریس کمیٹی وارڈ نمبر ۱۰ کے ہاں گیا۔

رات کو بعد مغرب محمد مرزا صاحب، سابق ایڈیٹر دستور، خواجہ ہلال قطبی صاحب سجادہ نشین درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی۔ مولوی عبدالحمید صاحب، ایڈیٹر رسالہ مولوی۔ امرا حسن خاں صاحب اور ان کے فرزند سلطان حسن خاں تشریف لائے۔ دن میں بھی لوگ آتے رہے۔ لیکن دور دراز سے میرے پاؤں میں مسلسل چکر رہے، دن کے آنے والوں سے ملاقات نہ ہو سکی۔ ہاں رات کو ماشو کی اماں بھی آئی تھیں۔ یہ ۱۹۴۷ء سے قبل میرے ہاں کھانا پکانا یا کرتی تھیں۔

کھانا یا دہنیں راکھ مفتی شوکت فہمی صاحب، ایڈیٹر دین و دنیا سے بھی ملا تھا اور وہاں سے مسٹر

راج نرائن کھنڈ کے ہاں حاضر ہوا تھا۔ کھنڈ جی مینوسپل کمیٹی کے ساتھی تھے۔ انتقال ہو چکا ہے۔ ان کے بھائی گنیش جی تشریف رکھتے تھے۔ گنیش جی کے ٹیلیفون سے مسز ارونا آصف علی کو اپنی آمد کی اطلاع کرائی تھی۔ وہ اس وقت کہیں گئی ہوئی تھیں۔ آج صبح مولانا احمد سعید صاحب کا خط آیا کہ مسز آصف علی نے فون کیا ہے۔ تین بجے گھر پر انتظار کریں گی۔ لو نے تین بجے تک میں گھر سے نہیں نکلا۔ حکیم عبدالحمید صاحب، متولی ہمدرد دواخانہ۔ مولانا قاضی بتاج حسین صاحب صلیب میں مدرسہ عالیہ فیچوری۔ خواجہ امین حسن صاحب اور عبدالحمید صاحب آرٹھتی تشریف لائے۔ ٹھیک تین بجے مقتدی واحدی کو لے کر مسز آصف علی کے

ہاں پنچا۔ حکیم عبدالسلام صاحب زئی رہنمائی کے لئے ساتھ تھے۔

مسز آصف علی کا خدمت گار وازے سے لگا منتظر کھڑا تھا۔ وہ ہم میں سے کسی کو نہیں جانتا تھا۔ مگر بڑا سمجھ دار آدمی ہے، ہمیں دیکھ کر اس نے فوراً کہا۔ آئیے اور لفٹ کے ذریعہ چنڈ سکند میں مسز آصف علی کے پاس پنچا دیا۔

دلی دروازے سے اجیری دروازے تک شاہجہان آباد دلی کی تفصیل توڑ کر ایک نہایت خوبصورت بازار بنایا گیا ہے۔ نیچے دکانیں ہیں، اوپر کئی منزلہ سکونی مکانات۔ یہیں کے ایک فلیٹ میں مسز آصف علی رہتی ہیں۔ اس بازار کا نام آصف علی بازار ہے۔ بازار کے شروع میں مسز آصف علی کا اسٹیج ہے۔ مسز آصف علی کے انتقال کے بعد حکومت مسز آصف علی کو صوبہ بنگال کی گورنری دینی چاہتی تھی، لیکن انھیں مسز آصف علی کا عہدہ قبول کرنا پسند نہیں تھا۔ خود گورنری کیا قبول کرتیں، مینوسپل کارپوریشن کی میئر ہیں۔ میئر کا الاؤنس دو ہزار روپے ماہانہ ہوتا ہے۔ مگر مسز آصف علی یہ الاؤنس نہیں لیتیں۔ میئر کو موٹر اور کوٹھی کارپوریشن کی طرف سے ملتی ہے۔ مسز آصف علی نے ان دونوں چیزوں کو بھی رد کر دیا، میں پرانی وضع کا مسلمان ہوں۔ آصف صاحب کی زندگی میں، میں نے مسز آصف علی سے کبھی گفتگو نہیں کی۔ لیکن آج مجھ پر تھا۔ آصف علی صاحب کی قبر پر ہوا آیا، آصف صاحب کی تنہا نشانی سے ملنا بھی ضروری سمجھا۔

ارادہ دس منٹ ٹھہرنے کا تھا۔ مگر مسز آصف علی نے ڈیرہ گھنٹے بیٹھائے رکھا۔ آصف صاحب کے لڑکپن اور جوانی کے قہقہے سنتی رہیں کئی دفعہ آبدیدہ ہو ہو گئیں۔ ڈیرہ گھنٹے کے بعد اٹھنے کی اجازت دی اور فرمایا۔ کسی دن کارپوریشن آئیے۔ آپ کے زمانے کے افسروں سے ملاؤں گی۔ میں نے کہا یہ تو میرے پر و گراہکا ایک جڑ ہے۔ میں حاضر ہوں گا۔ مجھے کارپوریشن کے ڈپٹی کمشنر مسٹر ایشور دیال اور

سپرٹنڈنٹ مسٹر نکم سے خاص طور پر ملنا ہے۔ فرمایا۔ نگم تو پڑوسی ہیں۔ دہلی بلائے دیتی ہوں۔ چنانچہ نگم صاحب سے مسٹر آصف علی ہی کے ہاں ملاقات ہو گئی۔ مسٹر آصف علی سے رخصت ہو کر ماسٹر جگت سنگھ صاحب ایڈیٹر رہنمائے تعلیم اور سردار دیوان سنگھ صاحب مضفوں ایڈیٹر ریاست کے ہاں گیا۔ ماسٹر جگت سنگھ صاحب آج کل دہلی میں نہیں ہیں۔ ماسٹر صاحب کے صاحبزادے تھے۔ اُن سے مسٹر سرور تو نسوی کو فون کر آیا۔ اُن کا بھی جواب نہیں آیا۔ سردار دیوان سنگھ صاحب کو پاس کافی دیر ٹھہرا رہا۔ مغرب اور عشاء کے درمیان خواجہ پھول قبطی۔ رئیس احمد۔ اسرار حسن خاں اسعد الدودو دھاں اور عبدالسلام خاں شریف لائے۔

۲۲ اپریل ۱۹۵۹ء صبح کا ٹہلنا جاری ہے۔ صبح کی منہ جامع مسجد میں پڑھتا ہوں۔ جامع مسجد قیامگاہ سے چار پہانچ منٹ کے فاصلے پر ہے۔ گھنٹہ ڈیرہ گھنٹہ ایک سوئی کا ہوتا ہے، ورنہ آج کل ایک سوئی مفقود ہے۔ اس گھنٹے ڈیرہ گھنٹے میں بھی روز سنتا ہوں کہ کچھ حضرات آئے تھے۔ روزنامہ لکھنے کی لاہور میں مہلت مل جاتی تھی۔ دہلی سے دوسطری خط کراچی نہیں بھیج سکا۔ آج فیصلہ کیا ہے کہ خط بھی لکھوں گا اور روزنامہ بھی لکھوں گا۔

گیارہ بجے تک لکھتا بھی رہا اور کرم فرماؤں سے ملاقات بھی کرتا رہا۔ خواجہ حسن ثانی نظامی۔ صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی۔ ملائمہ اور صابری۔ اسرار حسن خاں اور الاز دہلوی شریف لائے۔ گیارہ بجے بھائی محمد الحق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ واپسی پر قاری اخلاق حسین کے ہاں رکا اور اُن کی بہو بنت قاری عباس حسین سے کہہ آیا کہ کل علی الصباح آؤں گا اور چاء اخلاق صاحب کے ساتھ پیوں گا۔ اخلاق صاحب گھر پر صبح ہی ملتے ہیں۔ پھر میرا رد و اخلا

پہلے جاتے ہیں، جہاں کسی ڈیپارٹمنٹ کا انتظام اُن کے سپرد ہے۔ راستے میں عبدالحمید صاحب، تاجر عطر و تیل اور امیر بخش مرحوم کے بھانجے اور ننھے کالے سے بھی ملا تھا۔

۲۳ اپریل ۱۹۵۹ء ناشتہ قاری اخلاق حسین صاحب اور اُن کے بیٹے جمال میاں کے ساتھ کیا۔ قبل دوپہر پنڈت تیلورام صاحب۔ پیرزادہ عبدالحق فاروقی صاحب اور مولانا خالد اعظمی صاحب شریف لائے۔ شام کو پانچ بجے چوہدری احمد بخش صاحب، ایڈیٹر جنرل نیوز سے ملنے نکلا۔ جامع مسجد کے قریب پیرزادہ عبداللہ فاروقی صاحب نظر آ گئے۔ انہیں ہمارا دلے لیا۔ بلی ماراں میں چوہدری احمد بخش صاحب کے علاوہ حکیم ذکی احمد صاحب سے ملا۔ اور حافظ محمد سعید صاحب وکیل کے ہاں پہنچا۔ وہ کچھری سے نہیں پلٹے تھے، واپسی میں ہارڈنگ لائبریری گیا۔ پنڈت کرشن گوپال صاحب لائبریرین نے تپاک سے خیر مقدم کیا۔ میں ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۷ء تک لائبریری کی گورننگ باڈی میں رہ چکا ہوں۔ ویسے لائبریری کا اُس کے قیام کے وقت یعنی ۱۹۴۷ء سے ممبر تھا۔

مغرب کی نماز جامع مسجد میں ادا کی۔ شام کا کھانا خواجہ انیس حسن بھائی کے ساتھ کھایا۔ خواجہ حسن ثانی نظامی۔ مفتی شوکت فہمی۔ صاحبزادہ مستحسن فاروقی۔ مولوی عبدالحمید۔ مسٹر انور دہلوی۔ حافظ عبدالمنان۔ جمال میاں اور اسرار حسن شریک طعام تھے۔

کھانے کے بعد مسٹر ہری چند اختر کی لڑکی کی شادی میں گیا۔ خبر گرم تھی کہ کنور مہندر سنگھ بیدی ڈپٹی کمشنر اسٹرو آج وہاں ہوں گے۔ مسٹر عرش ملیانی ملے۔ انہوں نے فرمایا۔ کنور صاحب کل آئیں گے۔

۲۴ اپریل ۱۹۵۹ء دس بجے ٹاؤن ہال پہنچا۔ مسٹر آصف علی دفتر کے کمرے

میں تھیں۔ مجھے ملنے کے کمرے میں بٹھا دیا گیا۔ جہاں خان بہادر حبیب الرحمن صاحب 'او بی ای'۔ میونسپل کمیٹی کے پہلے غیر سرکاری پریسڈنٹ کی شاندار تصویر آویزاں ہے۔ خان بہادر صاحب اب میری طرح کراچی ہیں۔ خان بہادر صاحب کے بعد ڈاکٹر مدد ویر سنگھ اور لالہ شام ناتھ جی پریسڈنٹ چنے گئے تھے۔ ان دونوں کی تصویریں بھی خان بہادر صاحب کے دائیں بائیں ہیں۔

ملنے کے کمرے میں بیٹھتے ہی موتی رام لئسن افسر (LIAISON OFFICER) آگئے۔ یہ میرے زمانے میں اخبار ہندوستان ٹائمز کے رپورٹر تھے۔ موتی رام صاحب کے پیچھے پیچھے مسز آصف علی تشریف لے آئیں۔ باتوں باتوں میں فرمایا بدھ کے دن شام کے پانچ بجے پھر آتا ہوگا پرانے محلے سے تو آج ل لیجئے، بدھ کی شام کو آپ کس اتھی نمبروں سے ملانا ہے۔ کہئے تو غیر نمبر دوستوں کو بھی بلالیا جائے۔ مثلاً لالہ گوپی ناتھ امن۔

سو اگیا رہ بجے مسز آصف علی نے اپنی کار میں روانہ کیا۔ بنی احمد ان کا ڈرائیور ہے جو میرے زمانے میں ملک امین الدین مرحوم، اسسٹنٹ سکریٹری میونسپل کمیٹی کا ڈرائیور تھا۔

شوس ہے ایسور دیال صاحب، ڈپٹی کمشنر میونسپل کارپوریشن سے ملاقات نہیں ہو سکی، وہ علیل ہیں۔

دوپہر کا کھانا حسنی کے ہاں کھایا۔ حضرت مولانا احمد سعید صاحب اور مولانا محمد سعید صاحب، میونسپل کونسلر اور جعفری صاحب سابق میونسپل کمشنر میر تقی ام صاحب۔ حاجی سلیم صاحب، فرزند حاجی صالح صاحب۔ شہزاد بہاری صاحب مقرر۔ حکیم عبدالسلام صاحب زئی۔ بھائی محمد ادریس صاحب اور عبدالستار صاحب ملک یونین والے اور کئی اور حضرات شریک طعام تھے۔

حسنی وہی خاکروب ہے جس کے اخلاص اور جذبہ خدمت کا تذکرہ کر کے میں نے میرے زمانے کی دہلی میں لکھا تھا کہ دہلی اس لئے بھی نہیں جاتا کہ وہاں حسنی اور حسینی اور میر کو دینے کے لئے روپیہ نہیں ہوگا۔ حسنی نے ایک بار اور رکھ دیا۔ لیکن یہ ایسا بار ہے کہ اگر اسے نہ اٹھاتا تو اس کا دل ٹوٹ جاتا۔

جمعہ کی نماز جامع مسجد میں پڑھی۔

جامع مسجد کا انتظام گزشتہ چند روزہ سان سے سنی مجلس اوقاف کے تحت ہو رہا ہے، وہی ان تمام جائدادوں کی بھی نگرانی ہے جو جامع مسجد سے متعلق ہیں۔ اور جن کی آمدنی چھتیس ہزار روپیہ سالانہ کے لگ بھگ ہے۔ یہ موقوفہ جائداد شمس العلماء مولوی سید احمد مرحوم، امام جامع مسجد کی سعی اور ۱۹۲۷ء سے قبل کی جامع مسجد کمیٹی کے ارکان کی توجہ و تائید سے حاصل ہوئی تھی۔

امام صاحب کا خیال تھا کہ مسجد کی اتنی آمدنی کرنی جائے کہ آئندہ مسجد میں اذان و نماز قائم رکھنے اور مسجد کی صفائی ستھرائی، اور روشنی کے لئے کسی کا دست بگر نہ ہونا پڑے، لیکن یہ آمدنی اتنی کبھی نہیں ہو سکی کہ عام اخراجات کے بعد مسجد کی کوئی باضابطہ اور معقول مرمت کی جاسکتی۔

امتداد زمانہ اور بعض دیگر اسباب کے باعث مسجد کو مرمت کی اب اشد ضرورت تھی۔ مولوی سید حمید صاحب، موجودہ امام (خلف اکبر امام صاحب مرحوم) نے پندرہت جو اہل لال نہرو اور حضرت مولینا ابوالکلام آزاد کو توجہ دلائی کہ چند دستان کی پیش جاتا رہی یادگار آپ کی مدد کی طلب گار ہے۔ چنانچہ محکمہ آثار قدیمہ کو حکم دیدیا گیا کہ اس کے انجنیئر مسجد کا معائنہ کریں اور رپورٹ دیں۔ ان کی رپورٹ پر حکومت نے ڈیڑھ لاکھ روپیہ فوری مرمت کے لئے منظور کیا اور مرمت دو سال سے

ہماری ہے۔ بیچ کے گنبد کے گرد اور جگہ جگہ پاڑیں بندھی ہوئی ہیں۔ مرمت کی رفتار تیز نہیں ہے۔ جعفری صاحب سنی مجلس اوقاف کے سکرٹری رہ چکے ہیں اور آج کل مجلس کے ممبر ہیں، انہوں نے بتایا کہ رفتار سستیوں ہے کہ حکومت مسجد میں وہی پتھر لگانے چاہتی ہے جو تعمیر کے وقت لگے تھے، ہدایت ہے کہ جس کان اور پہاڑ سے شاہجہاں نے پتھر منگائے تھے وہیں سے پتھر لاٹے جائیں۔ قسم اور ذات اور پتھروں کی لمبائی چوڑائی میں فرق نہ ہونے پائے۔ نیز مرمت کرنے والے مرمت طلب حصے کو کھول کر دیکھتے ہیں کہ سالہ کون سا استعمال کیا گیا تھا۔ اس کے کیمیائی اجزا کیا تھے۔ غرض ان احتیاطوں کی وجہ سے دیر لگ رہی ہے۔ ایک پتھر مہینوں میں ملتا ہے۔

جہاں جہاں مرمت ہو چکی ہے، قابل اطمینان اور قابل تعریف ہے۔ پوری جامع مسجد پہاڑی کے اوپر بنائی گئی تھی۔ نیویں کھودنے کی نہیں ضرورت نہیں پڑی تھی۔ مرمت بالکل نیچے تک پہنچی تو پہاڑی سامنے آگئی۔ توڑ پھوڑ میں پہاڑی کے دو چار ٹکڑے جعفری صاحب نے اٹھائے تھے۔ ایک ٹکڑا مجھے عنایت کیا ہے۔

کراچی میں میری میز پر تین چیزوں کا اضافہ ہوگا۔ ایک اس ٹکڑے کا جو جعفری صاحب نے دیا ہے، دوسری چیز جامع مسجد کی خاک ہے جو حکیم عبدالسلام صاحب زئی نے ہیتا کی ہے۔ اور تیسری چیز حضرت سلطان المشائخ کے مزار کی خاک ہے جو خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے ہیا کی ہے۔

بعد نماز جمعہ حافظ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر رسالہ شمع اور خواجہ انیس حسن صاحب

بقائی تشریف لائے۔

۲۵ اپریل ۱۹۵۹ء صبح قاری اخلاق حسین صاحب اور ماسٹر عبدالمجید صاحب

جنرل منہر ہمدرد دوانہ ملنے آئے تھے اور حکیم عبدالحمید صاحب، متولی ہمدرد دوانہ کی طرف سے شربت روح افزا کی تین بوتلیں لائے تھے، انہیں معلوم ہوا کہ ہم اس وقت درگاہ حضرت سلطان المشائخ جانے والے ہیں تو اپنی موٹر ہمارے والے کر گئے۔ میں ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۱ اپریل یعنی ۱۸، ۱۹، ۲۰ شوال حضرت خواجہ حسن نظامی کی بنا کردہ واحدی منزل میں گزار دوں گا۔ حضرت امیر خسرو کا عرس ہے۔ حضرت امیر خسرو کا مزار حضرت سلطان المشائخ کے مزار کے پائین ہے۔

درگاہ حضرت سلطان المشائخ دلی (شاہ جہاں آباد) سے ساڑھے تین میل دور ہے اور نئی دلی میں ہے۔ دلی میں مجھے خاص تعلق جامع مسجد کے علاقے سے ہے اور نئی دلی میں اس درگاہ اور اس گھر سے۔ ویسے تو وہ

مجھ سے اک ایک مقام نے پوچھا

عشق کی حد پہ آ کے کیا گزری؟

لیکن جامع مسجد کے علاقے اور اس درگاہ اور اس گھر کا مقابلہ کوئی مقام نہیں کر سکتا۔

حکیم عبدالسلام صاحب زئی ساتھ آئے ہیں۔ خواجہ صاحب کے ہاں کی مجالس عرس کے انتظام میں یہ صاحبزادگان خواجہ صاحب کا ہاتھ بٹاتے ہیں۔ آج صاحبزادگان خواجہ صاحب اور صاحبزادگان کے پاس آنے والے میرے گری جمع رہے۔ سب آنے والوں کے نام نوٹ نہیں ہو سکے۔ صرف حکیم کامل خاں صاحب اور منشی ذکی حسن صاحب یاد رہ گئے ہیں۔

کھانا تو دو پہر کا بھی نہیں کھایا تھا اور جب تک سلطان جی میں ہوں۔ یہیں کھاؤں گا۔ لیکن آج شام کے کھانے میں خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب نے بہت سے حضرات کو بلایا تھا جن میں سے حسب ذیل میرے قدیم کرم فرما ہیں: ڈاکٹر

باقی تمام صاحبزادگان یا دلی میں ہیں یا ملیر (کراچی) میں قطب صاحب کی سستی مسلمانوں سے خالی ہے۔

درویش بادشاہ سلطان شمس الدین التمش کے مزار پر بھی فاتحہ پڑھی۔ سات سو برس پہلے کے ٹکھی بھراور موجودہ زمانے کے کروڑوں مسلمانوں کا تصور کیا اور وہاں سے سید جامع پارتی حضرت خواجہ نظام الدین اولیا کی خانقاہ آیا۔ خانقاہ سے مراد وہ عمارت ہے جہاں حضرت زندگی میں رہتے تھے۔ اور درگاہ سے مراد وہ عمارت ہے جہاں حضرت مدفون ہیں۔ ایک مجلس خواجہ حسن ثانی نظامی خانقاہ میں بھی کرتے ہیں۔ خانقاہ کھنڈ رہ چکی ہے۔ لیکن جیسی ۱۹۰۳ء میں تھی ویسی آج ہے، اور زیادہ کھنڈ نہیں ہوئی۔ میں نے اسے پہلی دفعہ ۱۹۰۳ء میں دیکھا تھا۔ صرف حضرت کے کتب خانے کا کمرہ ایسا ہے کہ اس میں بیٹھا جاسکتا ہے۔ اس کے آگے کا برآمدہ بھی صحیح سالم ہے۔ نیز وہ چھت شکستہ دیواروں کے سہارے سے موجود ہے جس پر تاریخی ہشت پہل چبوترہ ہے۔ اس چبوترے پر حضرت گرمی کے موسم میں آرام فرمایا کرتے تھے اور آرام فرمانے سے قبل حضرت امیر خسرو۔ حضرت امیر حسن علاء بخاری۔ حضرت مولانا سید محمد امام اور دوسرے مخصوص مقربین سے باتیں کیا کرتے تھے اور اسی چبوترے کی بابت حضرت امیر خسرو نے کہا تھا۔

نہ خفت خسرو کیس ازیں ہوس مشہا

کہ دیدہ بر کف پایت ہند بخواب شود

خانقاہ کی مجلس دس سکاڑھے گیارہ بجے تک رہتی ہے۔ یہاں آنے کی خاطر میں نے درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی اور مقبرہ صفدر جنگ جانا چھوڑا۔ ورنہ دس بجے یہاں نہ پہنچ سکتا تھا۔ مقبرہ صفدر جنگ کی جھلک دور سے دیکھ لی۔ درگاہ حضرت روشن چراغ دہلی کے لئے راستہ کاٹ کر چار میل کا مزید سفر کرنا پڑتا۔

شید محمد صاحب (سابق وزیر) حکیم عبد الحمید صاحب (مہر رد) صاحبزادہ محمد مستحق فاروقی صاحب (آستانہ) خواجہ محمد ہلال قطبی صاحب۔ مسٹر نور الدین صاحب (بیرسٹر) مسٹر سلطان یار خاں صاحب (ایڈووکیٹ)۔ حافظ محمد یوسف صاحب (جمعہ جاتی محمد صالح صاحب۔ قاری اخلاق حسین صاحب۔ مولانا قاضی سجاد حسین صاحب حکیم احمد جمیل قادری صاحب۔ ڈاکٹر داؤد صاحب۔ میاں سعید الاسلام صاحب (ابن میاں عبدالصمد صاحب) نواب عزیز الشفیع صاحب (محسٹریٹ) مفتی شوکت فہمی صاحب (دین دنیا) خواجہ انیس حسن بقائی صاحب۔ سہیل صاحب عظیم آبادی۔ مسٹر میر حسن صاحب۔ لالہ کرپا نرائن صاحب (بجے۔ این سنگھ لالہ رادھکا نرائن صاحب (بجے۔ این سنگھ) مسٹر محمد طارق صاحب (ممبر پارلیمنٹ) ڈاکٹر صدیقی صاحب (آر۔ کی ٹیکٹ)۔ شری دھن راج ملہو ترہ صاحب (وکیل) بھائی محمد دریس صاحب۔

صبح میاں مقتدی واحدی اور حکیم عبدالسلام زئی کے ہمراہ ۲۶ اپریل ۱۹۵۹ء بمقام مقبرہ ہمایوں گیا۔ آٹھ بجے صاحبزادہ حسن فاروقی آئے۔ بھائی محمد دریس اور نواب عزیز الشفیع بھی فاروقی صاحب کی کار میں تھے۔ ہم سب فاروقی صاحب کی ہربانی سے درگاہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کی زیارت سے مشرف ہوئے۔

جس اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈلو کر زندہ نکالا اور حضرت یونس علیہ السلام کو گھچلی سے نکلوا کر مرنے نہیں دیا تھا، اسی اللہ نے ۱۹۴۷ء کے ہنگامے میں دلی کی اس سب سے بڑی لورگاہ کو سب سے زیادہ نقصان پہنچنے دیا اور پھر گاندھی جی اور نہرو جی سے مرمت کروائی۔

خواجہ محمد ہلال صاحب قطبی تنہا درگاہ کی خدمت اور نگرانی کر رہے ہیں،

درگاہ چرائے دہلی حاضر نہ ہونے کا افسوس ہے۔ اور مقبرہ صفدر جنگ کے اندر نہ جاسکے گا بھی۔ دہلی میں مجھے موٹر کی لاہور جیسی آسانی نہیں رہی۔ حدیہ ہے کہ لال قلعہ دیکھنا نصیب نہ ہوا۔

خیر خانقاہ سے درگاہ آیا اور قیام گاہ میں شام تک بیٹھا رہا۔ پرانے ملنے والوں میں مستری محمد تحصیل عشقی (حضرت خواجہ حسن نظامی کے مشہور خدمت گزار مرید) آئے اور نئے ملنے والوں میں صوفی ولایت خاں نے کرم فرمایا۔ صوفی ولایت خاں ان صوفی عنایت خاں کے فرزند ہیں جنہوں نے یورپ میں اسلام و تصوف کی اشاعت کی تھی۔ یورپ میں صوفی صاحب کے بے شمار معتقد اور مرید ہیں۔ پیرس ان کا مرکز تھا۔ پیرس ہی کی ایک خاتون کے بطن سے صوفی ولایت خاں پیدا ہوئے۔ صوفی ولایت خاں تکمیل تصوف کا خیال لے کر ہندوستان کی دہلی میں پھر رہے ہیں کیونکہ وہ پہنتے ہیں۔ لنگر کا کھانا کھاتے ہیں۔ چہرے پر نور ہے۔ فرانسیسی مادری زبان ہے۔ انگریزی خوب بولتے ہیں۔ اردو اتنی جانتے ہیں جتنی چار مہینے میں جانتی چاہئے چار مہینے سے ہندوستان میں ہیں۔

صوفی ولایت خاں کے علاوہ متعدد حضرات نے شرف ملاقات بخشا۔ قبل عشاء میاں شہداء الدین عرف حاجی میاں صاحب سجادہ نشین حضرت میاں عبدالصمد صاحب شریف لائے۔

۲۷ اپریل ۱۹۵۵ء وائنگ اور ناشتے سے قلمغ ہوا ہی تھا کہ علامہ انور صاحب نے سا فر توازی فرمائی اور جتنی دیر بیٹھے رہے میرے متعلق رہائیاں کہتے رہے۔ بحر فکر میں غوطہ لگاتے تھے اور چار لڑکیوں کی مالالہ پتا دیتے تھے۔ ایک ماوا آپ کی نذر ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھ کو محبوب نے عطا کی، جسے گرامی مقام عظمت

جہان عرفان و آگہی کے اُنسی گرامی کی یاد آئی زیارت واحدی سے انور ہوئیں جو فیض مشنا گاہیں بنانے کیوں میری زندگی کو حسن نظامی کی یاد آئی خانقاہ والی مجلس کے بعد خواجہ حسن ثانی نظامی رات کی مجلس بھی حسب سابق کرتے ہیں۔ مگر میں رات کو جاگ نہیں سکتا۔ رات کی مجلس سے محروم رہا۔ آج دس بجے تیسری مجلس ہوئی۔ اس میں شرکت کی۔ رات مجلس یا دُکا رمیدان عرفات میں معتقد کی گئی تھی۔ یہ تیسری مجلس خواجہ صاحب کے زلمے سے حضرت امیر خسرو کے مزار کے سامنے والے ہال میں ہوتی ہے۔ یہ مجلس میرے سفر کا حاصل تھی۔ علامہ انور صابری کی ایک رہائی ہے۔

آئینہ انوارِ ازل دیکھ رہا ہوں سرایۂ ترمینِ عمل دیکھ رہا ہوں
خسرو کی یہ تصویر ہے یا دیدہ دل ہے محبوب الہی کی غزل دیکھ رہا ہوں
میرے دائیں جانب حضرت سلطان المشائخ محبوب الہی کی ایک غزل ہے
اور بائیں جانب دوسری غزل۔ میرا تصور مجھے کبھی خسرو کے قدموں میں پہنچا دیتا ہے اور کبھی حسن نظامی کے قدموں میں۔

تیسرے پہر حکیم کامل خاں اور منشی عبدالقدیر شریف لائے نیز نوشاہی یعنی والدہ سکندر بخت آئیں۔ نوشاہی کے خاندان کو خواجہ صاحب سے اور خواجہ صاحب کے متعلقین سے دلی تعلق رہا ہے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی کے ہاں کی چوتھی مجلس شروع ہونے کو تھی کہ میں دہلی لوٹ آیا۔ شام کا کھانا۔ صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی، سجادہ نشین حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی و ایڈیٹر آستانہ "ذبیحہ مشرق" کے ہاں کھاتے ہیں۔ سارے آٹھ بجے خواجہ حسن ثانی نظامی بھی مجلس سماع ختم کر کے آگئے۔ وہ اور بھائی محمد ادیس صاحب

مفتی عتیق الرحمن صاحب - مفتی شوکت فہمی صاحب حکیم عبدالحمید صاحب (ہمدرد)
نواب عزیز الشفیع صاحب - خواجہ ہلال قطبی صاحب - صدیقی صاحب (آر کی ٹیکٹ)
روش صدیقی صاحب - خواجہ انیس حسن بھائی صاحب - پوری صاحب (مالک ایٹ
پنجاب پریس) شہریار پرواز صاحب سب ایڈیٹر (آواز) حاجی محمد صالح صاحب انصار
ہروانی صاحب (میریٹ لیمٹ) علی محمد طارق صاحب (میریٹ لیمٹ) حکیم جمیل
قذوری صاحب - ساغر نظامی صاحب - رادھیکا زائن صاحب اور کریمانارائن
صاحب ترکیب طعام تھے۔

۲۸ اپریل ۱۹۵۹ء صبح گھڑی پر نماز پڑھ لی۔ ہوا خوری کرنے بھی نہیں گیا۔
جلدی جلدی تین روز کارہ وزنا پچھٹا۔ ساڑھے
آٹھ اور نو کے درمیان لالہ داتا رام - اسرار حسن خاں اور محمد عوض آگئے۔ ٹھیک
بچے مولانا لقائے اللہ پانی پتی تشریف لائے اور ساڑھے دس بجے تک میرے
پاس رہے۔ پھر بھائی محمد اسحق آئے۔ بارہ بجے پنڈت تیلور رام کے ہاں کھانا کھایا۔
آج میاں علی مقتدی واحدی اور بھائی محمد اسحق کے لڑکے میاں رئیس احمد
اور ایک اور عزیز میاں معراج الحق ۵ مئی کے لئے سیٹیں ریزرو کرانے گئے ہیں۔
اللہ نے چاہا تو ۵ مئی کو دہلی کا ارادہ ہے۔ عصر کی نماز پڑھ رہا تھا کہ منشی محمد جان
صاحب کے فرزند ملنے آئے۔ منشی صاحب میرے رفیق قدیم ہیں۔ ساتوں میرے
رسالوں اور اخباروں کی کتابت کی ہے۔ آج کل فرخ آباد گئے ہوئے ہیں۔
قبل مغرب کنور ہند سنگھ صاحب بیدی اور مولانا سمیع اللہ صاحب
اور بعد مغرب گلزار صاحب تشریف لائے۔

آٹھ بجے بھائی محمد ادیس صاحب۔ ان کے لڑکے مطیع احمد اور اپنے لڑکے
علی مقتدی واحدی اور حکیم عبدالسلام صاحب زئی کے ساتھ حکیم عبدالحمید صاحب

متوئی ہمدرد و واقانہ کے ہاں گیا۔ انھوں نے آج دعوت کی ہے۔ خواجہ زید پاشا
نظامی - خواجہ حسن ثانی نظامی - مولانا احمد سعید - مولانا حافظ الرحمن - مفتی عتیق الرحمن -
مفتی شوکت فہمی - سید محمد جعفری - خواجہ ہلال قطبی - خواجہ ہمدی نظامی - ڈاکٹر سید محمود -
مسٹر نور الدین - لالہ تمبھونا تھے۔ لالہ شام ناتھ - صاحبزادہ ستمن فاروقی - مولانا محمد میاں -
نواب عزیز الشفیع - سید اشفاق حسین (ناظر سنی مجلس اوقاف) - حاجی محمد صالح - مرزا
محمود بیگ (پریسل دہلی کالج) دیوان آنندکار (وائس چانسلر ایسٹ پنجاب یونیورسٹی)
مولانا سجاد حسین حکیم محمد اقبال - ڈاکٹر عبدالعزیز - قاری اخلاق حسین - سید عظمت علی -
منشی صغیر احمد - حکیم احمد جمیل - وحید الدین قریشی - مخدوم عثمانی اور ڈاکٹر صدیقی شریک طعام تھے۔
کھانے سے فراغت پانے کے بعد میں نے لالہ تمبھونا تھے صاحب کو الگ لے جا کر
کہا، کراچی سے آپ کو منعقدہ بار کھا گیا کہ میرے پاس تو حساب کتاب رہا نہیں ہے، آپ
اپنے ہاں دیکھ کر مطلع کیجئے کہ مجھے آپ کا کیا دینا ہے۔ آپ نے خطوط کے جواب دے کر
اس بات کا جواب بھی نہ دیا۔

لالہ تمبھونا تھے صاحب دلی کے سب سے پہلے برقی پریس، دلی پرنٹنگ ورکس
کے مالک ہیں۔ میرا کام کئی برسوں میں چھپا کرتا تھا، ان کے ہاں بھی چھپتا تھا۔
میں ویسے الحمد للہ کسی کا مقروض نہیں ہوں لیکن چھاپہ خانوں کے بل اور
رسالے کے چندے مرتے دم تک باقی رہیں گے۔ اور سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کا کیا
علاج کروں۔ خیر دلی جانے کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ۱۹۵۷ء کی بھگڑ کے وقت
چھاپہ خانوں کی جو رقمیں میرے ذمے تھیں انھیں چکا دوں۔ ادا کر کے یا معاف
کرا کے۔ چنانچہ لالہ تمبھونا تھے صاحب آج تکلف کرنے لگے تو ان کی خدمت میں
عرض کیا کہ روپے لینے نہیں چاہتے تو معاف کر دیجئے، اور زبان سے فرمائے
کہ معاف کیا۔

میں مصر تھا کہ لالہ شمعونا تھ صاحب ان الفاظ کو دوہرائیں اور لالہ شمعونا صاحب معاف کیا کہنا شاید گستاخی سمجھ رہے تھے۔ آخر انھوں نے معاف کیا کابل سوچا اور فرمایا "میرا کچھ مطالبہ نہیں ہے۔"

لالہ شمعونا تھ صاحب میرے ہم عمر ہیں اور ہم دونوں لڑکپن سے ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ لالہ شمعونا تھ صاحب گوشت نہیں کھاتے اور گوشت کھانے والوں سے دور ان کا تھال رکھا گیا تھا۔ مگر دیکھئے گوشت نہ کھانے والے، قدیم طرز کے ہندو اس طبیعت کے ہوتے ہیں۔

۲۹۔ اپریل ۱۹۵۹ء صبح ٹہلنے چونکہ اکیلا جاتا ہوں۔ دیوانوں کی طرح گلی گلی دلی کو ڈھونڈتا ہوں۔ آج راج گھاٹ کا قصد کیا۔

جامع مسجد سے لال قلعہ کے دروازے تک سڑک قدیم ہے اور ایڈورڈ پارک بھی تدریم ہے لیکن دائیں جانب اردو پارک دوسرا ایڈورڈ پارک بن گیا ہے اور بائیں جانب مقبرہ مولانا ابوالکلام کی وجہ سے پریڈ کے میدان کا ایک ٹکڑا سرسبز ہو گیا ہے۔ جامع مسجد سے چاندنی چوکے نکر تک دکانیں ہی دکانیں ہیں۔ پریڈ کے میدان میں جینیوں کے مندر کے نزدیک بہت لمبی چوڑی مارکٹ تعمیر ہو گئی ہے۔ پریڈ کا میدان چھوٹا رہ گیا ہے اور دکانوں اور مارکٹ کی وجہ سے میدان کی ہوا جامع مسجد کے رخ نہیں آتی۔ ادھر سمو سے کے سامنے اور اردو بازار کے سامنے ایڈورڈ پارک تک دکانوں کا طویل سلسلہ ہے اور اس قدر چمکی ہے کہ خدا کی پناہ!

ٹھنڈی سڑک کراس (Cross) کر کے قلعہ کے دروازے کی طرف بڑھا۔ بائیں جانب کا میدان نہیں بدلا۔ مگر دائیں جانب کے میدان میں دکانیں اور گودام تعمیر کرا دیئے گئے ہیں۔ قلعہ کے دروازے سے سنہری مسجد کا رخ ایک سنہری مسجد چاندنی چوک میں ہے اور ایک لال قلعہ کے دلی دروازے کے پاس۔

رخ کیا تو عالم ہی اور پایا۔ نہ وہ دریں اور نہ دروں کے اوپر کی نالی جس پر میں بچپن میں دوڑا کرتا تھا اور نہ وہ اہلی کا درخت ہے جس کے کنارے دوڑنے کے زمانے میں کھایا کرتا تھا اور جسے ۱۹۴۷ء میں کھڑا چھوڑ گیا تھا۔ سنہری مسجد سے راج گھاٹ تک میدان عمارتوں سے بھر گیا ہے اور زمانہ پردہ باغ کی چار دیواری کے ارد گرد آتی دکانیں ہیں کہ پردہ باغ نظر نہیں آتا۔ راج گھاٹ اٹکل سے پہنچے۔

شہر کے باہر جو عمارتیں تیار ہوئی ہیں، وہ دیکھنے دکھانے لائق ہیں۔ لیکن شہر کے اندر کی تعمیرات نے سانس لینا مشکل کر دیا ہے۔

راج گھاٹ سے کوچ چلیاں پہنچا تا کہ اپنا محلہ اور اپنا گھر ایک بار اور دیکھ لوں۔ آج پتہ چلا کہ دریا گنج سے ٹپٹی فداء اللہ صاحب کی حویلی کے مور تک کسی قدر تبدیلیاں بھی ہوئی ہیں۔ اندھیرا محض مرثت اور سفیدی کے فقدان کی وجہ سے نہیں ہے۔ اندھیرے کی اور وجہ بھی ہیں۔ میری دلی مجھے کہیں نہیں مل رہی۔ دلی کی برادریوں کی دلی کراچی میں موجود ہے۔ لیکن نواب فتح مرزا۔ اجمل خاں اور فیض احمد خاں کی دلی۔ خان بہادر ناصر علی اور حکیم ناصر زبیر فراق کی دلی۔ راشد النخیری اور حسن نظامی کی دلی۔ ادبیت خود۔ سائل اور آغا شاعر کی دلی۔ اب کہیں نہیں ہے۔ دل کی تسکین بہ نام غم نہ ہوئی۔

زندگی شاد کام غم نہ ہوئی۔ میرے مکان کے مقابل کالے خاں کی مسجد ہے۔ دروازہ کھلا پایا تو اندر گھس گیا۔ صحن پر نگاہ تھی اور جوتے اتار کر صحن میں قدم رکھنا چاہتا تھا۔ کہ موذن ہجرے میں سے نکلا اور بنگالی لہجے میں پوچھنے لگا۔ کیا ہے۔ میں نے کہا کچھ نہیں، اور باہر چلا آیا۔

جو بقیارفع الدین صاحب کی زیر صدارت کام کر رہی ہے اس کا آج جلسہ تھا۔ مگر میں جلسہ کے انعقاد تک ٹھہر نہیں سکا۔

عصر کی نماز مسجد فتحپوری اور مغرب کی نماز جامع مسجد میں پڑھی۔ کل میاں مقتدی واحدی فقط جواب لائے تھے کہ ریل کی سیٹوں کا ریزرو فیشن (Reservation) نئی دہلی ریلوے اسٹیشن پر ہوگا۔ آج وہ ۶ مئی کے لئے سیٹیں ریزرو (Reserve) کر آئے۔

کوئی دم میں روانہ ہیں ہم نوگ

۳۰ اپریل ۱۹۵۹ء
بھائی محمد ادیس صاحب کی حویلی دہلی منزل علی شان حویلی ہے۔ اس کا ایک بالائی حصہ مجھے الگ مل گیا ہے جو اپنی جگہ مکمل مکان ہے۔ تین کمرے، کمروں کے مطابق صحن، غسل خانہ، پانی خانہ۔ اس کے علاوہ حویلی کے طویل دو بھینڈ رنگ روم پر مبرا قبضہ ہے۔ بھائی صاحب کا برتاؤ یہ ہے کہ ایک دن میں سی سے کہہ رہا تھا کہ وطن میں مہمان ہوں۔ انھوں نے سن لیا۔ بچہ کر بولے اس گھر کو آپ اپنا گھر نہیں تسلیم کرتے۔ میں نے عرض کیا۔ اچھا صاحب! میں مہمان نہیں ہوں، لیکن اتنا کہنے کی تو اجازت ہے کہ۔

نماز قصر پڑھتا ہوں وطن میں

خیر بھائی صاحب اور بھابی صاحبہ اور بھتیجے بھتیجیوں نے آرام و آسائش کا انتہائی بندوبست کر رکھا ہے۔ لیکن ایک تکلیف ہے۔ ان کی حلال خوری، حرام خور ہے۔ جب چاہتی ہے آتی ہے اور جب چاہتی ہے نہیں آتی۔ میں اس معاملہ میں فطرتاً نازک مزاج ہوں اور کوچی کے فلسفہ سسٹم نے مزاج اور نازک کر دیا ہے۔ خواجہ حسن ثانی نظامی کے ہاں بھی ایک کمرہ، ایک ہال اور صلیح صحن میرے پاس تھا اور حسن ثانی عرس کی مصروفیت کے باوجود ہمہ تن متوجہ تھے۔

حکیم عبدالسلام زئی۔ بقیارفع الدین صاحب۔ محمد خاں صاحب (نگینہ ساز)۔ جعفری صاحب۔ اسرار حسن خاں صاحب۔ قاضی معزالدین احمد صاحب تشریف لائے۔

یہ نام بار بار اس لئے لکھتا ہوں کہ آپ انہیں بار بار پڑھ کر جان لیں کہ دہلی میں واحدی کے جاننے والے کتنے رہ گئے ہیں۔ بڑی بڑی دعوتوں میں بھی ہر پھر کر ایک ہی فہرست ملے گی۔ جامع مسجد سے تراپا بیرم خاں تک مسلمانوں کی آبادی ہو لیکن میں ادھر سے گزرتا ہوں تو آشنا صورت نہیں دکھائی دیتی۔ دہلی کے دوسرے محلوں کا کیا حال ہوگا۔ دوسرے محلوں میں جانے کو جی نہیں چاہتا۔ دہلی سے مراد اگر دہلی کے آدمی ہیں تو وہ تتر بتر ہو گئے۔ یا قبرستان چلے گئے۔ دہلی کی تہذیب اور دہلی کے تمدن کو چند گئے چنے حضرات نے سنبھال رکھا ہے۔ تم جواب اور مدارات سے بیگانوں کی کون لیتا ہے خبر عشق کے دیوانوں کی

دوپہر کا کھانا منشی عبدالقدیر صاحب کے ہاں رشید خاں صاحب صدر کانگریس کمیٹی وارڈنبرہ اور حکیم عبدالسلام صاحب زئی وغیرہ کے ساتھ کھایا۔ تیسرے پہر پانچ بجے کا وقت مسز آصف علی نے چاء نوشی اور افسران میونسپل کارپوریشن سے ملانے کے واسطے مقرر کیا تھا۔ میرے زمانے کے افسر ایک ایک کر کے مسز آصف علی کے کمرے میں آتے رہے اور ملتے رہے۔ نئے افسروں سے مسز ایشور دیال، ڈپٹی کمشنر کارپوریشن نے لان میں لے جا کر ملوایا۔ لان میں تمام افسر غالباً روز اس وقت جمع ہوئے ہیں۔

کارپوریشن نے پہلے بقیارفع الدین صاحب کے ہاں بھی گیا تھا۔ ریلیجیئس ٹولرنس کمیٹی (Religious Tolerance Committee)

عس کی مصروفیتیں ایک پکڑے میں تھیں اور میرا خیال ایک پکڑے میں۔ میرا خیال والا پکڑا بھکا جاتا تھا۔ لیکن پانچ دن کی تکلیف دہان کے ہاں بھی رہی۔ سنا ہے کہ یہاں حلال خوریوں کا اب عام طور پر یہی ہے۔ آج حکیم عبدالسلام صاحب زئی نے مرد حلال خور ہٹا کر دلچسپ امید ہے۔ پانچ پچھ دن خیریت سے گزر جائیں گے۔ حکیم عبدالسلام صاحب نے میرے جتنے کام کئے ہیں میں ان کا شکریہ نہیں ادا کر سکتا۔ انھیں عافیتیں دیتا ہوں۔ دوپہر کا کھانا بہن نوشاہہ کے ہاں کھایا۔

تیسرے پرکار پوریشن پہنچا اور منتر آصف علی کے ساتھ اولڈ سکرٹریٹ (old secretariate) ڈاکٹریدہ پیر سنگھ چیرمین انڈسٹریل ایڈوائزری بورڈ کے دفتر گیا۔ ڈاکٹر صاحب میرے میونسپل کمیٹی کے ساتھی ہیں۔ انھوں نے مجھ سے ملانے کے لئے کمیٹی کے مندرجہ ذیل ساتھیوں کو چاء پر جمع کیا تھا۔ لالہ شام ناتھ۔ لالہ دیسراج۔ چوہدری امراؤ سنگھ۔ لالہ ہری چند۔ لالہ ست زائن گڑوالے۔ حکیم خلیل الرحمن۔ ڈاکٹر سی۔ آر۔ جینا۔ سید محمد جعفری۔ لالہ پھول چند مین۔ سٹر جمل کشپور۔ کھنہ اور لالہ اونکار ناتھ۔

لالہ اونکار ناتھ آج کل ممبر پارلیمنٹ ہیں۔

منتر آصف علی اور لالہ گوپی ناتھ امن نے بھی چاند نوشی میں شرکت کی۔ امن صاحب میونسپل کمیٹی کے ساتھی نہیں ہیں۔ ادنی ساتھی ہیں۔ آج کل چیرمین پبلک ریلیشنز کمیٹی ہیں۔ شام پکھانا مفتی شوکت فہمی صاحب کے ہاں کھایا۔ مولانا احمد سید صاحب۔ مولانا حفص الرحمن صاحب۔ مفتی عتیق الرحمن صاحب۔ مولانا سجاد حسین صاحب۔ حکیم عبدالحمید صاحب (محمد مد) حکیم عبدالحی صاحب الفاضل۔ علامہ انور صابری صاحب۔ ساغر نظامی صاحب۔ بھائی محمد ادریس صاحب۔ نواب عزیز الشفیع صاحب۔ حاجی محمد صالح صاحب۔ سٹر نور الدین صاحب (پیر سٹر) صاحبزادہ محمد تحسن فاروقی صاحب۔ قاری اخلاق حسین

صاحب۔ خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب۔ خواجہ ہدی نظامی صاحب۔ حافظ محمد یوسف صاحب (شیخ)۔ چوہدری عبدالرشاد صاحب۔ خواجہ انیس حسن بقائی صاحب۔ سید محمد جعفری صاحب۔ قاضی اظہار یاشی صاحب۔ قاضی الیاس ہاشمی صاحب۔ سٹراٹھمبہ لے۔ قاضی۔ سٹر گوہر سرن (ایڈووکیٹ)۔ سٹر شام زائن۔ سٹر کرپا زائن۔ سٹر ادھیکا زائن اور سٹر صدیقی (انجینئر) شریک طعام تھے۔

کھانے کے بعد علامہ انور صابری صاحب اور ساغر نظامی صاحب نے اپنا اپنا کلام سنایا۔ ایک ایک غزل دونوں کی آپ بھی پڑھ لیجیے، پوری پوری غزل نہیں، بعض بعض شعر۔

علامہ انور صابری صاحب

لب پہ کانٹوں کے فریاد و فغاں تیر بعد کوئی آیا ہی نہیں آبلہ پا تیرے بعد
اب نہ وہ رنگ جہیں سہ نہ بہار عارض لالہ رویوں کا عجب حال ہوا تیرے بعد
چند سوکھے ہوئے پتے میں چن ہیں قصاں ہائے بے گانگی آب و ہوا تیرے بعد
منہ دکھلاتی نہیں غنچوں کا عروسِ شبہم گرد آلود ہے بکلیوں کی قبا تیرے بعد
آدمیت نسکنی بھی تو نہیں کم انور
ڈر ہے کچھ اور نہ ہو اس سے سوا تیرے بعد

ساغر نظامی صاحب

کیا سنائیں کہ ہم پہ کیا گزری عشق میں ہر قدم پہ کیا گزری
نوا سیران دیر کیا جانیں طائرانِ حرم پہ کیا گزری
مرحبا ذوق آبلہ پائی راہ کے پیچ و خم پہ کیا گزری

اُن کو دیکھو کہ اُن پہ کب بیتی یہ نہ پوچھو کہ ہم پہ کیا گزری
میرا دست طلب جھٹک تو دیا تیرے ظریف کرم پہ کیا گزری
سہی راہ عافیت ساغر
ہم نہ سمجھیں کہ ہم پہ کیا گزری

آج مولوی عبدالحمد صاحب (ایڈیٹر مولوی جعفری صاحب مفتی ضیاء الحق صاحب)
شیخ محمد فاروق صاحب (ناظم یتیم خانہ مجلس اوقاف بھائی محمد آتی صاحب اور گلزار صاحب
ملنے تشریف لائے تھے۔

آج کے لئے حکیم عبدالسلام صاحب زئی سے ملے ہو اتھا کہ صبح
یکم مئی ۱۹۵۹ء پانچ بجے جامع مسجد سے درگاہ حضرت شاہ باقی باللہ جائیں گے۔
حضرت کے علاوہ قاری سرفراز حسین صاحب اور حافظ عزیز حسن صاحب بقائی کی فاتحہ
خوانی کرنی تھی لیکن حکیم صاحب کو دیر لگ گئی۔ میں جامع مسجد سے ہوا خواری کرتے چل آیا۔
واپس آ رہا تھا کہ حکیم صاحب ڈھونڈتے ہوئے ملے۔ لیکن جانے کا وقت نکل چکا تھا۔
کھانا دعوتوں میں بے حد احتیاط سے کھانا ہوں۔ مگر دعوتوں کی وجہ سے جاگنا
ضرور پڑتا ہے کل رات جب لیٹا ہوں تو سوا بارہ بج رہے تھے۔ سوا چار بجے اٹھ بیٹھا۔
ساڑھے تین یا پانچ چار گھنٹے سونا قطعی ناکافی ہے۔ مجھے عشاء کی نماز پڑھتے ہی سو جانے کی
عاتبہ۔ رات کو کبھی نہیں جاگتا اور دن میں کبھی نہیں سوتا۔ مگر آج سارا بدن دکھ رہا
تھا۔ دوپہر تک پٹنگ پر پڑا رہا۔ اتفاق سے نیند بھی آگئی اور طبیعت ہلکی ہو گئی۔
شام کا کھانا حافظ محمد یوسف صاحب مالک رسالہ شمع کے ہاں تھا وہ شہر سے
چھ میل دور رہتے ہیں، اُن کی کار مجھے لے گئی اور پہنچا گئی۔

مغرب کی نماز کو ٹھکی کے پرفضالان میں مولانا احمد سعید صاحب کے پیچھے پڑھی۔
نماز پڑھتے ہی حافظ صاحب نے کھانا چنوا دیا۔ مولانا احمد سعید صاحب بھائی محمد ادریس

صاحب۔ ساغر نظامی صاحب۔ علامہ انور صابری صاحب۔ لالہ کرپا نرائن صاحب۔ لالہ شام نرائن
صاحب۔ مفتی شوکت فہمی صاحب۔ حاجی محمد صالح صاحب۔ خواجہ حسن ثنائی نظامی صاحب۔
مستر نور الدین صاحب۔ صاحبزادہ محمد مستحسن فاروقی صاحب۔ محمد ادریس صاحب مدیر کھلونا
محمد یونس صاحب۔ مدیر شمع۔ انور دہلوی صاحب (منبر شمع بکڈ پو۔ احمد سیرزادہ عبدالحق فاروقی
صاحب شریک طعام تھے۔

کھانے کے بعد علامہ انور صابری صاحب اور ساغر نظامی صاحب نے روحانی غذا بہم پہنچائی۔
ساڑھے دس بجے حافظ محمد یوسف صاحب کی کوٹھی سے رخصت ہوا۔ اور اردو
بازار میں مولوی سمیع اللہ صاحب کی دکان پر اترے۔ مولوی سمیع اللہ صاحب کی دکان شالہ
ادیبوں اور سیاست دانوں کی نشست گاہ ہے۔ روزانہ بعد منبر لوگ آجاتے ہیں۔
ساڑھے دس بجے بھی گلزار صاحب اور میر شتاق احمد صاحب تشریف فرما تھے۔ میر
پیچھے پیچھے علامہ انور صابری صاحب بھی آگئے۔ گلزار صاحب اور صابری صاحب اور
ایک نابینا شاعر نے جن کا نام یاد نہیں رہا، مشاعرہ قایم کر دیا۔ کل کی طرح آج بھی ٹھیک
سوا بارہ بجے سونا ملا۔ یہ سمجھتیں اس قدر دلکش ہیں کہ نے تاب وصل دارم نے طاقت
جدائی کل سے جلد سونے کی کوشش کروں گا۔

آج دن میں مولانا لقاء اللہ صاحب ملنے آئے تھے۔

۲ مئی ۱۹۵۹ء گرمی بڑھنی شروع ہو گئی ہے۔ مئی، جون، جولائی، یہی گرمی کے مہینے ہیں۔
دن بھر گھر میں لیٹا رہا اور آنے والوں سے باتیں کرتا رہا۔ مولانا
محمد الیاس صاحب اور اُن کے فرزند و جانشین مولانا محمد یوسف صاحب کی تبلیغی جماعت
کے کئی حضرات تشریف لائے۔ مجھے سب جماعتوں سے زیادہ یہ جماعت پسند ہے۔
جماعت نے خدمت کا ایک طریقہ اختیار کر لیا ہے اور اس طریقے کو مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے۔
تیسرے پہر ٹھیک ساڑھے تین بجے انجمن تعمیر اردو کے دفتر پہنچا۔ دفتر آدھا بھارا

تینوں حصے عطا فرمائے۔ اور فاروقی صاحب نے اپنا شائع کردہ قرآن مجید اور تجرید بخاری شریف (اردو)

ترجمان السنہ مخم کتاب ہے۔ استاد الحدیث مولانا محمد بدیع عالم صاحب نے اردو زبان میں ارشادات نبوی کا جامع اور مستند ذخیرہ مع تشریح و مباحث جمع کر دیا ہے سندوۃ المصنفین دہلی جس کے مفتی صاحب کرتا دھرتا ہیں بڑی معیاری کتابیں پیش کر رہا ہے۔

فاروقی صاحب کا شائع کردہ قرآن مجید بلاکوں کے ذریعہ چھپا ہے۔ تجرید بخاری کی بھی مجھے ضرورت تھی، انشاء اللہ ان تمام عطیات سے میں فائدہ اٹھاؤں گا۔ دوپہر کو نواب سید عزیز الشیخ صاحب شریف لائے۔

دوپہر کا کھانا لالہ داتا رام کے ہاں کھایا۔ وہاں مسز آصف علی سے پھر ملاقات ہوئی حضرت مولانا احمد سعید۔ مولانا محمد سعید، لالہ داروغہ گل۔ لالہ کشمیری لال ہنگل۔ خواجہ حسن ثانی نظامی۔ سید مطیع احمد حکیم عبدالسلام زئی۔ لالہ ہیرالال۔ مسٹر محمد عارف اسلم۔ اور مسٹر رشید خاں شریک طہ ام تھے۔

خواجہ حسن ثانی نظامی اور حکیم عبدالسلام زئی مجھے گھر پہنچانے آئے اور دیر تک میرے پاس رہے۔

رات کا کھانا مسٹر معراج الحق کے ہاں کھایا۔ معراج الحق میرے عزیز ہیں اور مقتدی واحدی کے گہرے دوست۔ ہائی کشر پاکستان کے دفتر سے ان کا تعلق ہے۔ دفتر کے سپرنٹنڈنٹ فاروقی صاحب بھی شریک طعام تھے۔

معراج صاحب نے قاری اہلاق حسین صاحب کی طرح بھائی محمد ادریس صاحب کے بیوی بچوں کو بلایا تھا۔ ان کے علاوہ بھائی محمد اسحق صاحب کی اہلیہ اور میر مرتضیٰ علی مرحوم کی اہلیہ بھی آئی تھیں۔ مطیع احمد اور رئیس احمد، غرض دلی میں جتنے تھیالی عزیز ہیں قریباً سب تھے۔

اردو ناہل ہیں واقعہ ہے۔ پنڈت برج موہن دتا تریڈ کیفی نے اس انجمن کی بنا ڈالی تھی۔ مولانا حفظ الرحمن صاحب۔ پروفیسر سمایوں کبیر صاحب اور پنڈت زار صاحب زشتی کی سرپرستی میں کئی صاحب کے انتقال کے بعد بھی انجمن چل رہی ہے۔ میر شتاق احمد صاحب اس کے صدر ہیں اور پنڈت انند موہن زشتی المعروف بہ گلزار صاحب جنرل سکرٹری۔

آج انجمن نے جوش صاحب ملیج آبادی اور خاکسار صاحبی سے ملانے کے لئے دلی کے ادیبوں، شاعروں اور صحافیوں کو جمع کیا ہے۔ وہاں کچھ کچھ بھرا تھا۔ پنڈت بلوک چند صاحب محرمہ پنڈت زار صاحب اور مسٹر صاحب لکھنوی نے چار چار پانچ پانچ شعر پڑھے پھر جوش صاحب نے ایک نظم سنائی۔ میں نے بھی دلی کے ایک تاریخی مکان کا حال بیان کیا جو میری کتاب میرے زمانے کی دلی میں درج ہے۔

بعد مغرب پنڈت تیلور رام جی آئے۔ ان سے باتیں کر کے میں قاری اخلاقی حسین صاحب کے ہاں رات کا کھانا کھانے گیا۔ قاری صاحب نے بھائی محمد ادریس صاحب اور ان کے بیوی بچوں کو بھی مدعو کیا ہے۔ بھائی فضل احمد صاحب کے نواسے میاں تنویر حسین نے بھی ہمارے ساتھ کھانا کھایا۔

۳۱ مئی ۱۹۵۹ء علی الصباح میری خالہ زاد بہن عزیز بیگم ملنے آئیں اپنی جانہار بیٹی نصیر یا تو سبزواری کا ذکر کرتی رہیں۔ نصیر یا تو جی کر لے گئی تھیں۔ حج سے فارغ ہوئیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں پیغام اجل بھیج دیا۔

عزیز بیگم کے جاتے ہی حکیم عبدالسلام صاحب زئی اور قاضی محمد اکرام صاحب آگئے۔ پھر جعفری صاحب اور مولانا احمد سعید صاحب کے ہمراہ چوہدری امراؤ سنگھ صاحب کے ہاں گیا۔ انہوں نے ہشتے کی دعوت کی ہے۔ ناشتہ کیا تھا کھانا تھا۔ مسز آصف علی لالہ گپتی لالہ امن۔ لالہ لعل راج۔ لالہ پرتاب سنگھ لہے اور حکیم خلیل الرحمن بھی شریک ناشتہ تھے۔

گھر واپس پہنچا تو مفتی عتیق الرحمن صاحب صاحبزادہ محمد سقین فاروقی صاحب اور خواجہ انیس حسن بقائی صاحب منتظر تھے۔ مفتی صاحب نے ترجمان السنہ کے

کی طرف سے یہ تیسری دعوت تھی۔ کہنے کے عورت ہر جمع تھے۔

بھائی محمد اسحق صاحب کے ہاں سے دفتر شمع گیا۔ حافظ محمد یوسف صاحب ملاک شمع شام کو الہ آباد چلا۔ اُن کو وہی سے پہلے یعنی پرسوں میں دلی سے رخصت ہو جاؤں گا۔ اس لئے رخصتی ملاقات کرتی تھی۔

شام کا کھانا اسرار حسن خاں صاحب کے ہاں کھایا۔ اسرار حسن خاں صاحب میاں مقتدی واحدی کے استاد ہیں۔ علی مقتدی واحدی اور اُن کے بڑے بھائی احمد مجتبیٰ واحدی کو کئی سال مسلسل پڑھایا تھا اور ایک دم پانچویں میں داخل کر دیا تھا۔ میرے بچے انہیں چچا میاں کہتے ہیں۔ بھائی محمد ادریس صاحب وغیرہ کئی صاحبان شریک طعام تھے۔

صبح کا ناشتہ انور صاحب، مینجر شمع ٹھک ڈپو کے ہاں کیا۔
۵ مئی ۱۹۵۹ء خواجہ انیس حسن صاحب بقائی۔ خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب۔ مولانا محمد سعید صاحب۔ اسرار حسن خاں صاحب۔ پیرزادہ عبداللہ فاروقی صاحب۔ پیرزادہ عبدالحق فاروقی صاحب۔ توفیق قادری صاحب۔ لالہ کد ارناٹہ صاحب۔ نجم صدیقی صاحب (ایڈیٹر جمالتان) شریک ناشتہ تھے۔

روپ نرائن صاحب، سکریٹری پرجا سوشلسٹ پارٹی صوبہ دہلی انور صاحب کے ہاں مجھ سے ملنے تشریف لائے۔ میں تھوڑی دیر اُن کے مکان میں جا کر بیٹھا۔ یہ خالص ہندوؤں کا محلہ ہے۔ مسلمان صرف انور صاحب ہیں، لیکن انور صاحب سے ہندوؤں کے اچھے تعلقات ہیں۔

دوپہر تک خواجہ حسن ثانی نظامی میرے پاس رہے۔ دوپہر کا کھانا مولانا احمد سعید صاحب کے ہاں تھا۔ خواجہ حسن ثانی نظامی صاحب۔ جعفری صاحب۔ لالہ شام ناتھ صاحب۔ مفتی شوکت فہمی صاحب، صاحبزادہ محمد حسن فاروقی صاحب۔ بھائی محمد ادریس صاحب اور حکیم عبدالسلام صاحب شریک طعام تھے۔ کھڑے کھڑے

مستر معراج ڈیفنس کالونی کے ایک خوشنما بنگلے میں رہتے ہیں۔ ڈیفنس کالونی جامع مسجد سے کافی فاصلے پر ہے۔ کار نہیں لے گئی اور پہنچا گئی۔

آج صبح ساڑھے پانچ بجے قاری اخلاق حسین صاحب نے ہمدرد و داخانہ کی کار بھیج دی تھی۔ اُس میں حکیم عبدالسلام صاحب، سید محمد جعفری صاحب، میاں مطیع احمد اور میاں مقتدی واحدی کے ساتھ درگاہ حضرت سلطان المشائخ حاضر ہوا۔ حضرت خواجہ حسن نظامی کے مزار پر فاتحہ پڑھی۔ میں سجدہ تعظیم کا قائل نہیں ہوں، لیکن جناب سائفر نظامی کا یہ شعر بے اختیار زبان پر آ گیا۔

کاش سجدے میں دم نہ مل جائے پھر ترا آستان ملے نہ ملے
 خواجہ صاحب کے بعد حضرت امیر خسرو اور حضرت سلطان المشائخ کے مزارات پر مقررہ ترتیب کے مطابق فاتحہ خوانی کی۔ پھر خواجہ حسن ثانی نظامی کے ساتھ ناشتہ کیا اور انہیں کار میں ساتھ بٹھایا اور اُدھلا نہ پہنچا۔ وہ پیڑ دیکھا جس کے نیچے مولانا راشد الخیری، مولانا عارف ہمسوی اور خواجہ فضل احمد شیدا کے ساتھ اتوار کے اتوار جا کر بیٹھا کرتے ہیں۔ مولانا راشد الخیری کی شام زندگی جب شائع کی ہے تو اُس کا جشن یہیں منایا گیا تھا۔ اُدھلے سے جامع نگر آیا اور حافظ فیاض احمد صاحب پانی پتی سے ملا۔ حافظ صاحب عربک بائی اسکول میں میرے ہم جماعت رہ چکے ہیں۔ دے نے نڈھال کر رکھا تھا۔ لیکن مجھے دیکھ کر زندگی بھر اُلگی۔ گھر لوٹا تو لالہ دست نرائن صاحب گڑوالے گھنٹہ بھر سے منتظر تھے۔ گھنٹہ، ڈیڑھ گھنٹہ اور بیٹھے۔ ان کا خاندان میرے کرکین تک دلی کے دولت مند ترین خاندانوں میں تھا اور اس خاندان کی اتنی عزت تھی کہ دست نرائن جی کے والد چار گھوڑوں کی بچی (چوکرٹی) میں بٹھا کرتے تھے۔ اور کسی کو چوکرٹی میں بٹھانے کی اجازت نہیں تھی۔ دوپہر کا کھانا بھائی محمد اسحق صاحب کے ہاں کوچہ چیلان میں کھایا۔ کہنے

مرزا سلیمان جاہ کی بولتی تہیور جہاں بیگم صاحبہ سے ملا۔ وہ مولانا احمد سعید صاحب کی پڑوسن ہیں۔ کئی روز سے مجھے ہمار ہی تھیں۔

شام کو میونسپل کارپوریشن گیا۔ جعفری صاحب ساتھ تھے میونسپل کارپوریشن میں آج مولانا ابوالکلام آزاد کی تصویر کی نقاب کشائی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو ریسپشن بھی دیا گیا تھا۔ خوب بہار تھی مگر نہ لطف بہار کچھ نہیں، گو ہے وہی بہار دل کیا بھر گیا کہ زمانہ بھر گیا

تاہم

تھے کچھ ایسے بھی نقش پا جن سے خاک سی چیز مسکراتی تھی
آج دہلی سے روانگی ہے ۱۹۴۷ء میں گیا تھا تو یہ خیال نہیں تھا کہ دہلی کبھی نہیں آؤں گا، چنانچہ آگیا۔ لیکن آج یہ خیال پٹکیاں لے رہا ہے کہ دہلی اب نہیں دیکھ سکوں گا۔ پہلا پھیرا ساڑھے گیارہ سال میں کیا ہے تو دوسرا پھیرا کیا جلدی ہوا جاتا ہے اور یہ

کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک
ہر شخص کی طرف اس طرح حسرت سے نگاہ اٹھاتا ہوں، جیسے مرتے وقت اس کے آخری دیدار کر رہا ہوں۔

گو نہیں طاقت فغاں لیکن
دلوے دل میں ہیں بلا کے ابھی
صبح ہوا خوری کرتا سنی مجلس اوقات کے دفتر چلا گیا تھا۔ بچوں کے گھر کے ہتھم سید محمد فاروق صاحب نے بچوں کا گھر دکھایا۔ سنی مجلس اوقات کے تیم فائے کو حیم خانہ نہیں کہتے، بچوں کا گھر کہتے ہیں۔ یہ نام اس زمانے کا رکھا ہوا ہے جب میں سنی مجلس اوقات کا ممبر تھا۔

نوبت مولانا حفیظ الرحمن صاحب، ہتھم مدرسہ امینیہ اور مولوی عبد الحمید صاحب، ایڈیٹر مولوی تشریف لائے۔ دس بجے خواجہ محمد ہلال صاحب قسبی اور

حکیم عبدالسلام صاحب زنی کو ساتھ لے کر مولانا احمد سعید صاحب اور سردار دیوان سنگھ صاحب سے رخصتی ملاقات کرنے اور چاندنی محل کی پولس چوکی میں واپسی کی رپورٹ لکھوانے گیا۔

چاندنی محل کے برابر میں رنگ محل ہے جس میں پرنس خیر الدین رہا کرتے تھے۔ رنگ محل کا راستہ دوسری طرف ہے۔ رنگ محل کے مردانہ صحن میں گھاس کے ٹھنڈی فرش کی بجائے ایلوں کے انبار تھے۔ دیواریں بھی ایلوں سے آراستہ تھیں۔ شام کو خان بہادر حبیب الرحمن صاحب کی کوٹھی دیکھنے لڑکھیل گیا۔ اس کے دروازے پر ایک جانب رائے بہادر گوجر مل مودی کتہہ ہے اور دوسری طرف مودی ہاؤس، کوٹھی کی حالت خراب نہیں پائی۔ بس خان بہادر اور رائے بہادر کا فرق ہے یا حبیب الرحمن اور گوجر مل کا۔

شام تک کرم فرما ملنے آتے رہے۔ رات کے ساڑھے نو بجے حکیم عبد الحمید صاحب (ہمدرد) صاحبزادہ حسن فاروقی صاحب (آستانہ) لالہ شمشووناٹھ صاحب (دہلی پرنٹنگ ورکس) مولوی حفیظ الرحمن صاحب (مدرسہ امینیہ) مولانا سجاد حسین صاحب (مدرسہ فخری) مفتی شوکت فہمی صاحب (دین دنیا) مولوی عبد الحمید صاحب (مولوی) الوند صاحب (شمع بک ڈپو) پیرزادہ عبد اللہ فاروقی صاحب (خاتون مشرق) خواجہ ہلال صاحب قسبی۔ خواجہ انیس حسن صاحب بقائی خواجہ حسن ثنائی نظامی صاحب۔ منشی عبدالقدیر صاحب۔ رشید قاسم صاحب۔ اسرار حسن صاحب۔ عبدالودود قاسم صاحب۔ سید محمد جعفری صاحب۔ قاری اخلاق حسین صاحب۔ حکیم عبدالسلام صاحب زنی۔ معراج الحق صاحب۔ قاری ہلال صاحب مطبع احمد صاحب۔ رئیس احمد صاحب۔ نثار احمد صاحب فاروقی اور شاید صاحب نے اسٹیشن تشریف لاکر رخصت کیا اور ریل لاہور روانہ ہو گئی۔

۱۹۵۹ء بمکٹ فرسٹ کلاس کے خریدے ہیں۔ فرسٹ کے مسافر کو

چک پوسٹ کے کٹے ہیں نہیں جانا پڑتا۔ چیکر ڈاتا ہے اور ڈبے کے آگے سامان اتر کر چک کر لیتا ہے۔ چک پوسٹ کے چیکر سیکنڈ اور تھرڈ دونوں کو ایک لکڑی سے بانکتے ہیں۔ فرسٹ کا چیکر اونچی حیثیت کا ہوتا ہے۔ فرسٹ کے ٹکٹ خریدنے سے امرتسر کا چکنگ نہایت اطمینان کا رہا۔ لاہور میں چک پوسٹ کے اندر فرسٹ کے مسافر کو بھی جانا پڑتا ہے لیکن تکلیف اب کے یہاں بھی نہیں ہوتی۔

لاہور گاڑی گیا رہ بجے پہنچی تھی، سخت گرمی کے وقت مگر پرنس خیر الدین صاحب اور بھائی فضل احمد صاحب اور میاں ممتاز احمد (میرے بھانجے) اسٹیشن پر موجود تھے پرنس نے بتایا کہ بھائی فضل احمد مرتے مرتے مجھے میں سخت بیمار ہو گئے تھے۔ میں ممتاز احمد کے ساتھ کلبرگ گیا اور کھانا کھا کر تین گھنٹے سویا۔ سو کر اٹھا تو حرارت سی تھی۔ پرنس نے شام کے کھانے پر بلایا ہے۔ انھیں فون کر دیا کہ آؤں گا لیکن کھانا نہیں کھاؤں گا۔ صرف اسی پیوں گا اور میز کے قریب پینگ کے اوپر لیٹا رہوں گا۔ طبیعت گری گری ہے۔ جمعہ کی نماز پرنس خیر الدین کے ساتھ درگاہ ۸ مئی ۱۹۵۹ء حضرت داتا گنج بخشؒ میں پڑھی۔

شام کو ماجد میاں ابن مولوی عبد الحمید صاحب، ایڈیٹر مولوی کے ہاں دعوت تھی۔ اس دعوت کو دلی ہی میں منظور کر چکا تھا۔ چنانچہ پرنس خیر الدین صاحب۔ خواجہ فضل احمد صاحب۔ قاضی عبدالواحد صاحب اور میاں مقتدی واحدی کے ساتھ گیا اور ریزید بیٹھا دی کی لسی پیتا رہا اور کھانے کو نظر لگاتا رہا۔

۹ مئی ۱۹۵۹ء سفر کے سہم سے بھوک ویسے بھی غائب ہو جاتی ہے۔ ۱۶ مئی کو دلی سے چلتے وقت کھانا نہیں کھایا تھا۔، کو ناشتہ بھی نہیں کیا۔ کلبرگ میں، رکی دوپہر کو کھانا کھایا اور پھر، رکی شام سے ۹ رکی دوپہر تک یا اتنی پیتا رہا یا شربت ریح افزا جس کی چار بوتلیں حکیم عبد الحمید صاحب دلی ریلوے اسٹیشن اور لیتے آئے تھے۔ ۹ رکی سہ پہر کو لاہور سے کراچی کا سفر شروع کیا تو پرنس خیر الدین

نے کئی درجن مالٹے ساتھ کر دیے، وہ راستے بھر چوستا رہا۔

۱۰ مئی ۱۹۵۹ء لاہور سے پھر انٹر کلاس کی سیٹیں ریزرو کرائی تھیں۔ جانے بیجے آرام ملا تھا، آنے میں اس کا بدلہ اتر گیا۔ انٹر کلاس ہو یا فرسٹ کلاس، آرام اور تکلیف سفر کے ساتھیوں پر منحصر ہے۔ آپ نے فرسٹ کلاس کے مارواری مسافر کو گندگی پھیلاتے بارہا دیکھا ہوگا۔

دو میاں بیوی اور ان کے بچے بالکل ہمارے سامنے بیٹھے تھے ان کے ساتھ مختلف پودوں کا انبار تھا، جھنڈے وہ پانی دے رہے تھے۔ ہم اپنا اسباب نیچے نہیں رکھ سکے ایک برتنہ بھی سونے کے خیال سے ریزرو کر لیا تھا، اسے اسباب کی نذر کیا اور اٹھارہ انیس گھنٹے خدا معلوم کس طرح کاٹے۔ صحت ناحبس غدا بے سے الیم۔

خیر بارہ بجے گاڑی نے کراچی میں دم لیا اور میرے دم میں دم آیا۔ مسٹر محمد یامین۔ مسٹر لطیف الرحمن صدیقی۔ احمد مجتبیٰ واحدی اور ان کے بچے اور شریف صاحب، شاکرہ اور ان کے بچے اور سنجیدہ واحدی۔ موسیٰ واحدی اور غیشی واحدی اور مسٹر فرید مرزا نے اسٹیشن پر استقبال کیا۔

آج آرام لوں گا اور کل سے کام کروں گا۔ وہ کام جو سہ ماہی آخرت ہے۔ اٹھائیس دن کام نہیں کیا۔ زندگی میں فلاں سا محسوس ہو رہا ہے۔

دلی اور لاہور کے احباب کا شکریہ۔ حضرت خواجہ حسن نظامی کے توسط سے دو چار مرتبہ بڑی بڑی جگہ جہان رہنے کا اتفاق ہوا ہے لیکن خود جہان جتنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ مقتدی واحدی نے میرے توسط سے دیکھ لیا کہ جہان نوازی کس شے کا نام ہے۔ مجھ جیسے معمولی انسان کو خصوصاً اہل دہلی نے اس قدر نوازا کہ اس کا تصور کرتا ہوں تو شبہ ہونے لگتا ہے کہ میں نے کوئی خواب نہیں دیکھا۔

م-۱- واحدی نے شہر آفسٹ لیتھو پریس کراچی میں چھپوا کر دفتر نظام الشیعہ ۳۲ چیک لٹریز کراچی سے شائع کیا